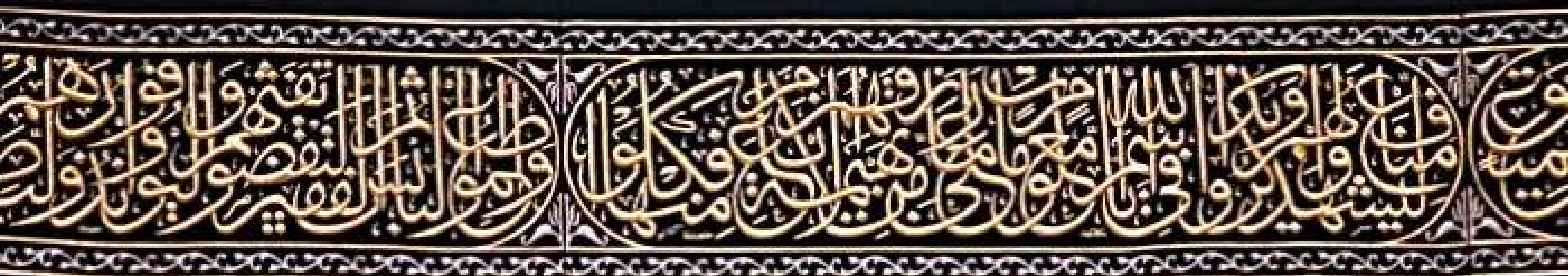
عہدِ نبوی سے عصرِ رواں تک طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران
پیش آنے والے دل افروز واقعات کا روح پرور مجموعہ

طوافِ خانہ کعبہ کے روح پرور واقعات

تصنیف
مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ









ناشر


رفاعی مشن ناسک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھ کو دِیوانہ بتاتے ہو، میں وہ ہوشیار ہوں

پاؤں جب طوفِ حرم میں تھک گئے سر پھر گیا

[رضاؔ بریلوی]

طوافِ خانۂ کعبہ کے روح پرور واقعات

طوافِ حرم کے لیے ہر مومن کا دِل اُس کے پہلو میں پہروں دھڑکتا رہتا ہے

-: **تصنیف** :-

محمد اَفروز قادری چڑیاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

بأبِي أنتَ وأمِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيکَ أيُّهَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

کتاب : طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران

تالیف : ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی......................

پروفیسر: دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

afrozqadri@gmail.com

تصویب : مبلغ رشد وہدایت علامہ مولانا مفتی محمد عبد المبین نعمانی قادری

نظر ثانی : حضرت مولانا سید رضوان احمد رفاعی شافعی -حفظہ اللہ تعالیٰ-

rifai.rizwan11@gmail.com

Mobile: 09923819343

باہتمام : فہمی چریاکوٹی

صفحات : دوسو چالیس (240)

اشاعت : 2015ء - ۱۴۳۶ھ

قیمت : 120 /روپے

تقسیم کار : اِدارہ فروغِ اسلام، چریاکوٹ، مئو، یوپی، انڈیا

o رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إنَّکَ أنْتَ السَّمِيعُ العَلِيمُ o

اپنے والدین کے نام!

جن کی معیت میں طوافِ خانۂ کعبہ

اور

حاضریِ دربارِ رسالت کا شرف نصیب ہوا.

اور

جن کی دعاؤں کے طفیل، مولا کی رحمتیں مجھ پر سدا برستی رہتی ہیں۔ سچ ہے ؎

یہ کامیابی و شہرت، یہ نام ان سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے مقام ان سے ہے
کہاں بساطِ جہاں اور میں کمسن و ناداں
یہ میری جیت کا سب اِہتمام ان سے ہے

۔اللہ ان کی زندگی و بندگی میں برکتیں اُتارے۔

یکے از خوش بختاں

ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی

فہرست

عرضِ رفاعی

محبّ گرامی قدر، اَدیب وخطیب اہلسنّت حضرت علامہ مفتی سید رضوان احمد رفاعی شافعی

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ صفوۃ الخلائق محمدن النبی الامین وعلیٰ آلہٖ وصحابتہ أجمعین من یومنا ھٰذا إلی یوم الدین . أما بعد !

خانۂ کعبہ روے زمین کا وہ مقدس مقام ہے جہاں پہنچنے کے لیے ایک مردِ مومن کا دل اس کے پہلو میں پہروں دھڑکتا رہتا ہے۔اس کی زیارت' قلب وروح کی دنیا کو ایک صالح اِنقلاب سے دوچار کردیتی ہے۔اس کے گرد پھیرے لگانے والے خوش بختوں نے دنیا میں ایسے ایسے کارہاے نمایاں انجام دیے ہیں کہ جس کی مثال کھوجے سے بھی نہیں ملے گی۔طوافِ کعبہ اپنے اندر ایک عجیب کشش ومقناطیسیت رکھتا ہے، جسے طواف کرنے والے کے علاوہ دوسرا شخص نہ تو پاسکتا ہے اور نہ ہی محسوس کرسکتا ہے۔یہ تاریخ ساز کتاب آپ کو بتائے گی کہ عہدرسالت مآب ﷺ سے لے کر گزشتہ صدیوں تک خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرنے والوں کے ساتھ کیسے کیسے واقعات رونما ہوئے اور وہ کس طرح الطافِ ربانیہ وعنایاتِ الٰہیہ کے مہبط ومورد بنے۔

اس دل چھوتے اور اچھوتے موضوع پر نہ تو کبھی میں نے کوئی کتاب دیکھی اور نہ ہی اس کا تصور کرسکتا تھا کہ اس موضوع پر بھی الگ سے کچھ لکھا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ یہ ٹیڑھی کھیر ہرکس وناکس کے بس کا روگ نہیں تھا۔اس کے لیے تاریخ وسیرت اور طبقات وتراجم کے گلیاروں کا چکر لگا کر اپنے مطلب کی جڑی بوٹی سے عرقِ خاص کشید کرنے کی ضرورت تھی۔ظاہر ہے سہل پسند طبیعتوں کو تو اس کا سوچ کر ہی چکر آنا شروع ہوجائے گا؛ مگر ہر دور میں کچھ کوہ کن ہوتے ہیں جن کے سینے میں ولولۂ فرہاد جوشاں ہوتا ہے اور وہ اپنی بے

تکان محنت ولگن سے جوئے شیر نکالنے میں کامیاب وسرخ رو ہو جاتے ہیں۔

یہ دیکھیں مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی ہیں، تاریخ وسیرت کے گلیارے سب ان کے دیکھے ہوئے ہیں۔ اسی دشت کی سیاحی میں ان کی حیاتِ مستعار کے لیل ونہار گزر رہے ہیں۔ انھیں خوب پتا ہے کہ اس کوچۂ علم کی کیا کیا چیزیں سر بازار آ چکی ہیں اور کیا ہنوز نگہ محققین سے پوشیدہ ہیں۔ یہ مولانا کے امتیازات وتفردات میں سے ہے کہ وہ ہمیشہ صحرائے علم کی سیاحی کے بعد ایسی جنس گراں مایہ کا انتخاب کرتے ہیں جسے ان سے پہلے نہ برتا گیا اور نہ اس کے کیف ومستی سے بادۂ علم کے میخواروں کے کام ودہن لذت آشنا ہوئے۔

یہ محض اللہ کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں پر فکر ونظر کے نئے آفاق روشن کرتا رہتا ہے، اور پھر وہ فراست وبصیرت کے روزن سے وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جس کا عام لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آج جب کہ آئے دن درجنوں کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ رہی ہیں اور لائبریریوں کا ذخیرۂ کتب قارئین پر ایک رعب وہیبت طاری کر رہا ہے۔ ایسے گہما گہمی کے ماحول میں کسی نئی زمین کو تسخیر کر کے اس سے ایک نئے موضوع کو اُجالنا یقیناً کسی علم وکمال کے فرہاد ہی سے ممکن ہے۔

میری اس بات سے ہر خواندہ وسنجیدہ شخص اِتفاق کرے گا کہ مولانا کی بیشتر تصانیف وتحقیقات اپنے موضوع پر اکلوتی ہوتی ہیں اور نرالی شان رکھتی ہیں۔ مولانا کی یہ کتاب بھی ان کی دیگر کتب کی طرح اپنے اندر شانِ امتیاز وتفرد رکھتی ہے اور اپنے موضوع پر بھرپور مواد فراہم کرتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب جس طرح غیر حجاج کے لیے ایک گراں مایہ تحفہ ہے، اسی طرح حجاج کے لیے بھی خاصے کی چیز بن گئی ہے۔ رفاعی مشن ناسک کے لیے ایسی اکلوتی کتاب کی طباعت واشاعت کسی اِعزاز وشرف سے کم نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے علم وعمل میں برکتیں نازل فرمائے۔ اور رفاعی مشن کے معاونین وکارپردازان کو دن دونی رات چوگنی ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

سید رضوان احمد رفاعی۔ بانی وسرپرست: رفاعی مشن، ناسک شریف

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

دست بستہ

اللہ رب العزت کا بے پایاں شکر و اِحسان ہے کہ جس نے محض اپنی توفیق سے زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے بہرہ ورفرمایا۔ اَنوار وتجلیات کے سیل رواں کا حصہ بنتے ہوئے جس سہولت و اِہتمام کے ساتھ بوڑھے والدین کی معیت میں حج وعمرہ کے مناسک واَرکان اَدا ہوئے وہ بجاے خود نوازشِ مولا اور عنایتِ ربانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اوراس پر مستزاد یہ کہ اس نے پھر بیوی بچوں کی محبتوں شفقتوں میں حصہ بٹانے کے لیے وطن عزیز واپس فرمادیا۔

حرمین شریفین سے دل پر پتھر رکھ کر آنے کوتو ہم واپس آ گئے؛ تاہم سچ پوچھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جان و دل ہنوز طوفِ حرم میں دیوانہ وار پھر رہے ہیں ...... رکن ِشامی سے وحشتِ شامِ غربت مٹا رہے ہیں...... ملتزم سے گلے لگ کر مدتوں کے اَرمان نکال رہے ہیں...... چشمہ زمزم سے جنم جنم کی تشنگی شوق بجھا رہے ہیں...... زیرِ میزاب' کرم کے چھینٹوں تلے نہا رہے ہیں...... من موہنا غلافِ کعبہ' سرآنکھوں سے لگا رہے ہیں...... آغوشِ حطیم میں سجودِ نیاز لٹا رہے ہیں ...... بوسہ سنگ اَسود سے ظاہر و باطن کی ظلمتیں مٹا رہے ہیں...... سعی صفاومروہ سے روح وبدن کی صفا وغذا کا سامان کررہے ہیں...... وادیِ منیٰ میں رقص بسمل کی بہاریں دیکھ رہے ہیں...... غارِ ثور وحرا کی طرف پروانہ وار لپکے جارہے ہیں اور محل مستجاب پر کھڑے گریاں وبریاں بابِ اجابت کھٹکھٹا رہے ہیں۔

دوسری طرف کعبہ کے کعبہ کی یادوں کا ہجوم ہے......شہر مدینہ کی صبح دل آرا آنکھوں میں اُتری ہوئی ہے...... جودِ شہِ کوثر کا چھلکتا ہوا دریا نگاہوں میں بہ رہا ہے......مشتاقانِ دید کی آہ و

تڑپ سماں باندھ رہی ہے...... قصرِ محبوب کا جلوہ دیدہ ودل میں کھبا ہوا ہے......اور سبز گنبد سے چھنتے ہوئے اَنوار وتجلیات کے کیف آور مناظر دہلیزِ تصور پر اَپنا قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔

واہ کیا بات ہے مدینے کی

مکین گنبد خضرا کی بارگاہِ عظمت میں شمع رسالت کے پروانوں کا رقصِ مستانہ آج بھی جاری ہے...... جاں نثاروں کے والہانہ عشق ومحبت کا جذبہ آج بھی زندہ وتابندہ ہے بلکہ عشاقِ مصطفیٰ نے اس جذبۂ جاں نثاری کو ایک تحریک بنادیا ہے۔ بعد اَز وصال بھی صحابہ کرام سے لے کر لمحہ موجود تک حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ اَطہر مرجع خلائق بنا ہوا ہے...... درِ آقا پر ہر پل صل علی کے سرمدی پھولوں کی بہار دِلوں کے غنچے چٹکا رہی ہے۔حضور کی رحمت کا در آج بھی کھلا ہوا ہے اور صبح قیامت تک کھلا رہے گا۔

اگر آج کا اِنسان امن، سکون اور عافیت کی تلاش میں ہے اور اُفق عالم پر دائمی امن کی بشارتیں تحریر کرنے کا خواہاں ہے تو اسے دہلیز مصطفیٰ پر جھک جانا ہوگا؛ اس لیے کہ گنبد خضرا کو اپنی سوچوں کا مرکز ومحور بنائے بغیر باغِ طیبہ کے شاداب موسموں اور مخمور ساعتوں کو اپنے ویران آنگن کا مقدر نہیں بنایا جا سکتا۔امن کی خیرات اسی در سے ملے گی؛ اس لیے کہ ذہنوں کی تہذیب وتطہیر کا شعور اُسی درِ پاک کی عطاے دلنواز ہے۔

ان مقدس یادوں کو تازہ رکھنے ہی کی یہ ایک کوشش ہے۔ یہ تحریر آپ کو بتائے گی کہ طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران کیسے کیسے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں، اور سعادت مندوں نے رحمتِ خداوندی میں کس کس طرح سے حصہ ڈالا ہے، اور مولا کے فضل وکرم کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔اُمید ہے کہ ناچیز کی یہ کوشش ٹھکانے لگے گی اور قارئین سے دعاؤں کا خراج وصول کرنے میں کامیاب ہوگی۔ -اللہ بس باقی ہوس-

ابو رفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی

۱۷؍جولائی ۲۰۰۹ء بروز شنبہ

حرم پاک کی فضاؤں میں.....

الحاج سید صبیح الدین صبیحؔ رحمانی

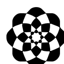
خوشا وہ دل، حرم پاک کی فضاؤں میں تھا
زباں خموش تھی، دل محوِ التجاؤں میں تھا

طواف کرتا تھا پروانہ وار کعبے کا
جہانِ اَرض و سما جیسے میرے پاؤں میں تھا

حطیم میں میرے سجدوں کی کیفیت تھی عجب
جبیں زمین پہ تھی، ذہن کہکشاؤں میں تھا

درِ کرم پہ صدا دے رہا تھا اَشکوں سے
جو ملتزم پہ کھڑے تھے میں اُن گداؤں میں تھا

مجھے یقین ہے میں پھر بلایا جاؤں گا
کہ یہ سوال بھی شامل مری دعاؤں میں تھا



مدینے سے لوٹتے ہوئے.....

الحاج ریاض مجید ریاضؔ

ٹھہری ہوئی آنکھوں میں جدائی کی گھڑی ہے
شبِ آخری طیبہ کی مرے سر پہ کھڑی ہے

کیا عرض و گزارش ہو کہ ملتے نہیں الفاظ
دنیائے تمنا ہے جو ہونٹوں پہ اَڑی ہے

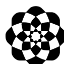
اِک گنبدِ خضرا ہے محیطِ دل و دیدہ
دھندلائی ہوئی آنکھوں میں تصویر جڑی ہے

روتے ہوئے سامانِ سفر باندھ رہے ہیں
محسوس یہ ہوتا ہے قیامت کی گھڑی ہے

کھنچتے چلے آتے ہیں قدم سوے حرم پھر
یہ شہر مدینہ سے نکلنے کی گھڑی ہے

آتے ہوئے کیا سہل مدینے کا سفر تھا
جاتے ہیں تو اِک ایک قدم راہ کڑی ہے

لوٹا ہے مدینے سے ریاضؔ اپنا بدن صرف
جو روح ہے وہ اَب بھی مواجہہ پہ کھڑی ہے



تاریخ خانۂ کعبہ - پس منظر و پیش منظر

آسمانی کعبہ سے زمینی کعبہ تک

ہواؤں میں اُڑتی ریت، پربتوں پر جمی برف، سنگلاخ چٹانوں میں پلنے والی آتش فشاں، زمین کی زرخیزی سے نمو پانے والے سبزہ زار، موسموں کے تغیر سے تبدیل ہونے والی حیاتیات، آسمان، چاند، ستارے اور حضرت انسان کے معاشرتی اِرتقا کو دیکھ کر جہاں ایک طرف خدا کی وحدانیت کا یقین ہوتا ہے وہاں دوسری طرف اس کے تخلیق کار، مصور، اور معمار ہونے کی ایسی نشانیاں سامنے آتی ہیں جنہیں رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی اس کی طرح ایک اتنی بڑی کائنات کو تخلیق کرسکتا ہے یہی اس کی وحدانیت کا کھلا ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے اَسمائے حسنیٰ 'الخالق، المصور، القیوم' کی صفات کے تحت نہ صرف ایک بڑا تخلیق کار ہے بلکہ صورت گری کرنے والا اور کائنات کو سنبھالنے والا بھی ہے، اس طرح وہ ساتوں آسمان و زمین کو تعمیر کرنے والا پہلا معمار ہے جس نے کائنات کے ساتھ ساتھ دنیا کے پہلے انسان کو حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں تخلیق فرمایا اور اپنے فرشتوں کے ذریعے انہیں دنیا میں رہنے سہنے کے آداب و طریقے بتانے کے ساتھ ساتھ زمین پر چلنا سکھایا اور اسی نے ان کی اولاد کو کھیتی باڑی اور مویشیوں کی پرورش کا علم عطا کیا۔

عرش الٰہی کے نیچے ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے جس کا نام بیت المعمور ہے۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں قیامت تک پھر ان کی باری دوبارہ نہیں آتی۔ زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان

تعمیر کرو۔ ملائکہ نے مکان تعمیر کرلیا تو اس کا نام 'ضراح' رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جس طرح آسمان کے فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین والے فرشتے 'ضراح' کا طواف کیا کریں جس کی بنیاد ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے زمین پر اُتارے گئے تو انہیں حکم ہوا اَب زمین پر میرا ایک گھر تعمیر کرو، اور جس طرح میرے عرش کے گرد تم نے فرشتوں کو طواف کرتے دیکھا ہے ایسا ہی اس گھر کا طواف کرو۔ بالآخر حضرت آدم علیہ السلام مکہ معظّمہ پہنچے اور آپ نے وہاں پر بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔

دلائل النبوۃ میں اس تعلق سے قدرے تفصیل آئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کی طرف بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ زمین پر میرا ایک گھر تیار کرو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک لکیر کھینچی اور حضرت آدم علیہ السلام اس کے مطابق زمین کھودنے لگے۔ ماں حوا مٹی اٹھا کر پھینکنے میں مصروف ہوئیں یہاں تک کہ کھدائی پانی کی سطح تک پہنچ گئی۔ نیچے سے آواز آئی کہ اے آدم! بس اتنا کافی ہے۔ پھر جب گھر بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اب اس کا طواف کرو، اور پھر انہیں بتایا گیا کہ تم دنیا کے سب سے پہلے اِنسان ہو جس نے اس کا طواف کیا ہے اور یہ (زمین پر) سب سے پہلا گھر ہے۔

خانۂ کعبہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے انتہائی مقدس، بابرکت اور بے پناہ عظمت کا حامل مقام ہے، جہاں ہر سال پوری دنیا سے ہر نسل، ہر فرقے اور رنگ کے مسلمان اکٹھے ہوکر فریضہ حج اَدا کرتے ہیں۔ کعبے کا طواف کرتے ہیں اور اپنے گناہ معاف کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں۔

خانۂ کعبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر تعمیر کیا تھا۔ مکہ مکرمہ شروع دن سے آج تک ایک اہم مقام ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور جب سیلاب سے کعبہ کی دیواروں کو نقصان پہنچا تو سرورِ کائنات علیہ السلام نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور پھر اس میں حجرِ اسود کو رکھنے کے مسئلے کو جس خوش اسلوبی سے طے فرمایا وہ بھی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔

خانۂ کعبہ' اللہ کا گھر ہے۔ یہ مقدس عمارت اَزلی اور اَبدی حرمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت کا مرکز ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات تعمیر کعبہ، عظمت کعبہ اور مسجد الحرام کے تقدس پر روشنی ڈالتی نظر آتی ہیں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ مرغزارِ بہشت سے روے زمین پر اُتارے جانے کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت حوا کے درمیان جدائی کر دی گئی تھی، دونوں مختلف مقامات پر فراقِ یار میں محوِ آہ و بکا تھے، پھر میدانِ عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی اور دونوں جانب مغرب چل پڑے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں درخواست کی کہ اے پروردگار! جنت کے اندر جس منارۂ نور کے گرد میں تیرے لیے سجودِ نیاز لٹایا کرتا تھا وہ مجھے یہاں بھی عطا فرما۔ آپ کی دعا پر وہ منارۂ نور (خانۂ کعبہ کی شکل میں) آپ کو عطا کر دیا گیا اور آپ نے اس کے گرد طواف کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور عبادت و بندگی کی سوغات پیش کی۔

پھر یہ منارۂ نور حضرت شیث علیہ السلام کے زمانے میں چھپ گیا، صرف حجرِ اَسود باقی رہ گیا تھا تو آپ نے خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو فرمائی اور سنگِ اَسود کو اس کے ایک گوشے میں نصب فرما دیا۔ پھر طوفانِ نوح کے بعد دیوارِ کعبہ مدتوں ریت کے ذرات تلے دبی رہی۔

صدیوں بعد حکم خداوندی پا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظّمہ کا رخ کیا اور بی بی ہاجرہ و اسماعیل کو رہائش پذیر ہونے کے لیے وہیں بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ

آئے۔ پھر جب حضرت اسماعیل بڑے ہوئے تو اُن کی معاونت و معیت میں حضرت شیث علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ کی تلاش کر کے اس کی دوبارہ تعمیر فرمائی۔

کعبہ کی وجہ تسمیہ

خانۂ کعبہ کو کعبہ کہنے کی دو وجہ ہے۔ ایک یہ کہ کعب کے لفظی معنی ہیں اُٹھا ہوا ہونا یا اونچا ہونا، ٹخنے کو کعبین کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ ابھرے ہوتے ہیں؛ تو چوں کہ کعبہ کی سطح، سمندر سے اونچی ہے یا پھر اس کی اپنی عظمت و رفعتِ شان کی وجہ سے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مکعب بقاعدۂ اقلیدس وہ ہے جس کو چھ برابر کی سطح گھیریں، اگرچہ بنائے ابراہیمی میں کعبہ بشکل مستطیل تھا لیکن نزولِ قرآن کے وقت بشکل مکعب تھا یعنی اس کی لمبائی، چوڑائی اور بلندی برابر تھی اس لیے اس کو کعبہ کہا گیا- واللہ اعلم بالصواب-(۱)

تعمیر کعبہ کے مختلف مراحل

ایک قول کے مطابق خانۂ کعبہ کوئی گیارہ مرتبہ تعمیر در تعمیر اور تراش خراش کے مختلف مرحلوں سے گزرا ہے۔ اس کی پہلی تعمیر فرشتوں کے ذریعہ عمل میں آئی۔ دوسری تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔ تیسری مرتبہ حضرت شیث علیہ السلام کے ذریعہ اس کی تعمیر ہوئی۔ چوتھی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ پانچویں مرتبہ قوم عمالقہ نے اس کی تعمیر کی۔ چھٹی بار قبیلہ جرہم نے۔ ساتویں مرتبہ سردارِ مکہ قصی نے۔ آٹھویں مرتبہ قبیلہ قریش نے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرما جانے

(۱) تفسیر نعیمی: ج۱/۸۲۶ بحوالہ حیرت انگیز معلومات۔

کے بعد نویں مرتبہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیر کی۔ دسویں مرتبہ حجاج بن یوسف کے دور میں اس کی مرمت ہوئی۔ اور گیارہویں مرتبہ ترکی کے سلطان مراد پنجم کے ذریعہ عمل میں آئی۔(۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر نو بار عمل میں آئی۔ پہلی تعمیر ملائکہ نے کی۔ دوسری حضرت ابراہیم نے۔ تیسری قوم عمالقہ نے۔ چوتھی قبیلہ جرہم نے۔ پانچویں قصی بن کلاب نے۔ چھٹی قریش نے۔ ساتویں عبد اللہ بن زبیر نے۔ آٹھویں حجاج بن یوسف نے، اور نویں سلطان مراد بن احمد خان شاہِ قسطنطنیہ نے۔(۲)

جب کہ سیرتِ حلبیہ کی ایک روایت کے مطابق خانۂ کعبہ کی تعمیر صرف تین مرتبہ ہوئی۔ پہلی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی۔ دوسری مرتبہ قریش نے اور تیسری بار حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے۔ ملائکہ، حضرت آدم، اور حضرت شیث علیہما السلام کا تعمیر کرنا ثابت نہیں ہے اور جہاں تک رہی بات قبیلہ جرہم، قوم عمالقہ، قبیلہ قریش اور قصی بن کلاب کی تو انھوں نے صرف کعبہ کی مرمت اور تزئین میں حصہ لیا از سر نو کعبہ کی تعمیر نہیں کی۔ حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے۔(۳)

کتب تفسیر میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی تھی: کوہِ حرا، طورِ سینا، طورِ زیتا، کوہِ لبنان، اور کوہِ جودی۔(۴)

تعمیر ابراہیمی کے وقت کعبہ معظّمہ کی بلندی نو ہاتھ تھی اور رکن اَسود سے رکن شامی تک اس کی چوڑائی تینتیس ہاتھ۔ رکن شامی سے رکن غربی تک بائیس ہاتھ۔ رکن غربی سے

(۱) حاشیہ جلالین: ۲۸۱...... بخاری: ۲۱۵۔ گیارہویں تعمیر کا ذکر ذیل کی انگلش کتاب میں مذکور ہے۔
Islam, Spirit and Form, By: Osman Nuri Topbas: 247,248
(۲) تفسیر نعیمی: ج۱/۸۲۶ بحوالہ حیرت انگیز معلومات۔
(۳) حاشیہ بخاری: ۲۱۵ بحوالہ حیرت انگیز معلومات۔
(۴) تفسیر بحر العلوم سمرقندی: ۱/۱۱۲۔

رکن یمانی تک اکتیس ہاتھ۔اور رکن یمانی سے پھر رکن اسود تک بیس ہاتھ۔اس وقت کعبہ کا دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا جس میں کواڑ وغیرہ نہ تھے، دروازے دو تھے ایک داخل ہونے کا اور ایک نکلنے کا۔(۱)

خانۂ کعبہ مسلمانوں کا نیوکلیس

خانۂ کعبہ دنیا کی سب سے بڑی عبادت گاہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ساری دنیا سے بیک وقت سب سے زیادہ اِنسان جمع ہوتے ہیں، اور یہ عمل قریباً چودہ سو سال سے اسی طرح جاری وساری ہے۔طواف کا مطلب خانۂ کعبہ کے گرد ایک دائرہ میں گھومنا ہوتا ہے۔اب آپ ذرا اس بات پرغور کیجیے کہ ایک ایٹم کے مرکز کے گرد اس کے ذرات جس طرح گھومتے ہیں بالکل اسی طرح سورج کے گرد زمین اور دوسرے سیارے گھومتے ہیں، اور یوں ہی زمین کے گرد ایک دائرے میں چاند کی گردش جاری ہے؛ تو سارے نظام میں ایک مماثلت پائی جاتی ہے۔

اگر طوافِ خانۂ کعبہ پرغور کریں تو یہ بھی بالکل اسی نظام کا حصہ ہے، حاجی بالکل اسی طرح خانۂ کعبہ کے گرد گھومتے ہیں جس طرح سورج کے گرد سیارے، جس طرح زمین کے گرد چاند اور جس طرح ایٹم کے نیوکلیس کے گرد ایکٹران۔اس سارے نظام کی مماثلت پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خانۂ کعبہ مسلمانوں کا نیوکلیس ہے۔

کعبہ کی مزدوری

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم ہوا، تو عظیم باپ اور عظیم بیٹا دونوں بصد شوق اور بدل وجاں خانۂ کعبہ کی تعمیر میں مصروف ہوگئے۔ایک ایک پتھر چن کر

(۱) تفسیر نعیمی: ۸۲۲/۲۔

لاتے اور کعبہ کی دیواریں تعمیر کرتے۔ دیواریں بلند ہوتی گئیں۔ ساتھ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا پتھر عطا ہوا تھا جس پر کھڑے ہو کر وہ تعمیر کا کام کر رہے تھے۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ جوں جوں دیواریں اونچی ہو رہی تھیں توں توں یہ پتھر بھی بلند ہوتا جا رہا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام تعمیر کعبہ کی اس عظیم مہم میں اپنے والد گرامی کا دست و بازو بنے رہے۔ ایک طرف تعمیر چل رہی تھی اور دوسری طرف دونوں جلیل القدر پیغمبر بارگاہِ خداوندی میں دعا کرتے جا رہے تھے کہ مولا! ہم تیرے مقدس گھر کی تعمیر کر رہے ہیں ہماری یہ محنت و مشقت قبول فرما۔ باری تعالیٰ! ہماری جبینیں ہمیشہ تیرے حضور جھکی رہیں، ہمارے سجدوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ اور ہماری آل و ذریت میں سے اُمت مسلمہ پیدا فرما۔

پھر عرض کیا: باری تعالیٰ! ہم نے تیرے گھر کی دیواریں بلند کر دی ہیں، اور ہم نے اپنی ذریت میں اُمت مسلمہ مانگ لی ہے۔ اے خدائے رحیم و کریم! حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر مجھ تک ہر زمانے میں تو نبی آخر الزماں کے ظہور کا اِعلان کرتا رہا ہے۔ سنا ہے یہ سلسلہ نبوت و رسالت اس مقدس ہستی پر جا کر ختم ہو جائے گا۔

وہ رسولِ معظم جس کی خاطر تو نے یہ بزم کائنات سجائی اور کرۂ ارض پر ہزارہا انبیا و مرسلین کو مبعوث فرمایا...... وہ رسول آخر جس کے لیے تو نے ملتوں کو پیدا کیا...... دنیاے رنگ و بو کو آراستہ کیا...... آبشاروں کو تکلم کا ہنر بخشا...... ہواؤں کو چلنے کی خو عطا فرمائی...... وہ رسولِ برحق جس کی خاطر تو نے اپنا جلوہ بے نقاب کیا...... جس کی خاطر تو نے مخلوقات کو پردۂ عدم سے معمورۂ وجود میں لایا...... جس کی خاطر تو نے انسانوں کے لیے ہدایت آسمانی کے سلسلے کا آغاز فرمایا۔ اس رسولِ معظم اور اُس نبی آخر الزماں کا اس کائنات میں ظہور ہونے والا ہے!۔

اِرشاد ہوا: ہاں اے ابراہیم! ہمارا وہ محبوب رسول آنے والا ہے، بتا تو چاہتا کیا ہے؟
عرض کیا: اے ربِ کائنات! اگر تو تعمیر کعبہ کی ہمیں کوئی مزدوری دینا چاہتا ہے، اور تعمیل حکم میں تجھے ہمیں کچھ عطا کرنا ہے تو بس اتنی عرض ہے کہ اپنے اُس آخری رسول کو میری اَولاد

میں مبعوث فرما۔ میری ذریت کو نورِ محمدی کے جلوؤں سے ہمکنار کر دے۔ میری اولاد کو حضور کی قدم بوسی کی سعادت بخش دے اور مجھے نبی آخر الزماں کا دادا بنا دے تا کہ کل قیامت کے دن جب لوگ اپنے اپنے نام ونسب سے بلائے جائیں تو میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دادا کہہ کر بلایا جاؤں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر اپنی نسل میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی دعا مانگی تھی یہ وہی پتھر تھا جس پر کھڑے ہو کر آپ نے تعمیر کعبہ کا کام سرانجام دیا تھا۔ اس مقدس پتھر کی عظمت پر جان و دل نثار! جس پر کھڑے ہو کر اپنی اولاد میں نبی آخر الزماں کے مبعوث ہونے کی دعا مانگی جا رہی ہے۔

ارشاد ہوا: اے بے جان پتھر! تجھے کچھ خبر ہے کہ تجھ پر کھڑے ہو کر میرے خلیل نے مجھ سے کیا مانگ لیا ہے، اس لمحے کو اپنے سینے میں محفوظ کر لے کہ یہ قبولیت کا لمحہ ہے۔ اس لمحے ہمارے محبوب کی آمد کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت رسولِ کائنات کے ذکر جمیل سے روحِ کائنات معطر ہے۔ قدرتِ خداوندی سے وہ پتھر موم ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان' قیامت تک کے لیے اس پتھر کے اندر پیوست ہو گئے۔

اس پتھر کا اعزاز یہ تھا کہ اس پر کھڑے ہو کر اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر نے اس کے محبوب کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا تو اللہ کے نبی کی نسبت سے وہ پتھر بھی محترم ہو گیا۔ بلاشبہ نسبتیں بڑی عظیم ہوتی ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

نسبتوں سے نہ اگر ہو تو محاسن بھی گناہ
وہ شفاعت پہ ہوں مائل تو جرائم بھی قبول

داعیِ مشربِ توحید بھی یہ بات سنے
شاید آ جائے اُسے راس یہ حرفِ معقول

صرف توحید کا شیطان بھی قائل ہے مگر

شرطِ ایماں ہے محمد کی اطاعت یہ نہ بھول

آپ دیکھیں نا کہ حلب سے لے کر وادیِ مکہ تک ہزاروں پتھروں پر حضرت اِبراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان لگے ہوں گے، بے شمار پتھروں نے کف پاے ابراہیم کو بوسہ دینے کا اِعزاز حاصل کیا ہوگا؛ لیکن اِمتدادِ زمانہ کے ساتھ وہ نقوش مٹتے گئے، ماہ وسال کی گردانھیں اپنے دامن میں چھپاتی رہی اور ان میں سے کسی پتھر کو بھی محفوظ نہیں کیا گیا؛ مگر جس پتھر پر کھڑے ہوکر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے طلوعِ صبح میلاد کی دعا مانگی تھی، اللہ تعالیٰ سے اس کے محبوب کو مانگا تھا، اور کونین کی دولت کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی آرزو کی تھی وہ پتھر حرم اَقدس میں مقام اِبراہیم پر صبح قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔

حکم ہوا کہ اس پتھر کو کعبے کے سامنے گاڑ دو۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اس وقت تک میرے گھر کا طواف مکمل نہیں ہوگا جب تک طواف کرنے والے اس پتھر کے سامنے میرے حضور سجدہ ریز نہ ہولیں گے؛ تاکہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ یہ تمام اِنعامات واِکرامات صدقہ ہیں اس پتھر کا جس پر کھڑے ہوکر میلادِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعا کی گئی تھی۔

خانۂ کعبہ کا غلاف – عہد بہ عہد –

کعبہ پر غلاف چڑھانے کی اِبتدا کب ہوئی اور آج تک اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس تعلق سے مؤرخ کا قلم کوئی قدیم ریکارڈ پیش کرنے سے قاصر ہے؛ لیکن جو روایات علماے اسلام تک پہنچی ہیں ان کے مطابق کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر غلاف حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چڑھایا تھا؛ تاہم اس روایت کی بابت نہ تو اتنے وثوق سے کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی اِنکار کیا جاسکتا ہے۔ ہاں! اس تعلق سے سب سے مستند حوالہ اس حدیث مبارک کا ہے جس پر تاریخ غلاف کعبہ کے تمام مؤرخین نے اتفاق کیا ہے۔

ظہورِ اسلام سے ۷۰۰ برس اور ہجرت نبوی سے ۲۲۰ برس قبل یمن کے بادشاہ تبع ابوکرب اَسعد (عہد حکومت ۴۲۵ء) نے خواب میں دیکھا کہ وہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھا رہا ہے یہ خواب اس نے کئی بار دیکھا۔ ایک جنگ سے واپسی پر وہ مکہ مکرمہ سے گزرا تو اسے اپنا خواب یاد آیا؛ چنانچہ اس نے یمن سے قیمتی کپڑے کا غلاف بنوا کر خانۂ کعبہ پر چڑھایا۔ اسعد نے پہلی بار بابِ کعبہ کے لیے ایک تالا اور چابی بنوائی۔

شاہ اَسعد کے بعد یمن کے ہر بادشاہ نے یہ سعادت حاصل کی اور ہر بادشاہ نے کعبہ شریف کے لیے غلاف بنوایا۔ مورخین کی نظر میں یہ واقعہ اس لیے زیادہ درست ہے کہ ایک بار کچھ لوگ اَسعد نامی بادشاہ کو برا بھلا کہہ رہے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسعد حمیری کو برا نہ کہو؛ کیوں کہ اس نے کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا۔

یہ غلاف سرخ دھاری دار یمنی کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ قریش کے انتظام سنبھالنے سے غلافِ کعبہ کی مکمل تاریخ ملتی ہے۔ اس قبیلہ کی روایات زمانۂ اسلام تک محفوظ ہیں۔ قریش مکہ ہر سال دس محرم کو کعبے کا غلاف بدلتے تھے اور اس دن وہ احترام کی خاطر روزہ بھی رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عرب کے مختلف قبیلے اور ان کے سردار جب بھی زیارت کے لیے آتے تو اپنے ساتھ قسم قسم کے پردے لاتے۔ جتنے لٹکائے جاسکتے وہ لٹکا دیے جاتے باقی کعبۃ اللہ کے خزانے میں جمع کر دیے جاتے۔ جب کوئی پردہ بوسیدہ ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا پردہ لٹکا دیا جاتا۔

زمانۂ جاہلیت میں خالد بن جعفر بن کلاب نے کعبہ پر پہلی مرتبہ ریشم کا غلاف چڑھایا تھا جس کی لاگت تمام قبائل قریش میں تقسیم کی گئی تھی۔ اس وقت غلاف ٹاٹ، چمڑے اور دیباج وغیرہ سے تیار کیے جاتے تھے۔

بنی مخزوم کے ابوربیعہ بن عبداللہ نامی شخص نے تجارت میں بے حد منافع کمایا تو اس

نے قریش سے کہا کہ ایک سال کعبہ پر غلاف میں چڑھایا کروں گا اور ایک سال تمام قریش مل کر یہ فریضہ انجام دیں گے؛ چنانچہ اس کے مرنے تک یہ معمول رہا۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان مکہ مکرمہ میں بہت عزت واحترام سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کے جد امجد بھی تمام قبائل میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، انہوں نے بڑی سمجھ داری اور فراست سے کام لیتے ہوئے غلاف کعبہ کی تیاری کے لیے خصوصی بیت المال قائم کیے؛ تاکہ تمام قبائل اپنی حیثیت کے مطابق غلافِ کعبہ کی تیاری میں حصہ لے سکیں اور کوئی قبیلہ اس سعادت سے محروم نہ رہے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اپنے خرچ پر غلافِ کعبہ چڑھانے کا شرف حضور کی دادی' عباس بن عبدالمطلب کی ماں کو بھی حاصل ہوا تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بچپن میں جب ایک بار حضرت عباس اپنے گھر کا راستہ بھول گئے تو ماں نے منت مانگی کہ عباس گھر آ جائیں تو وہ غلاف نذر کریں گی؛ چنانچہ حضرت عباس جب گھر سلامتی سے تشریف لائے تو انہوں نے یہ منت پوری کی، اور سفید رنگ کا ریشمی غلاف چڑھایا۔(۱)

اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی غلاف کعبہ کو ذاتی اور اجتماعی طور پر بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے ۵/سال پہلے کعبہ کی تعمیر نو کی تو بڑے اہتمام سے غلاف بھی چڑھایا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تو اس وقت آپ نے غلافِ کعبہ کو تبدیل نہیں کیا تھا۔ انہی دنوں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک مسلمان خاتون غلافِ کعبہ کو صندل کی خوشبو میں بسانے کا اہتمام کر رہی تھی کہ اچانک تیز ہوا سے آگ' غلافِ کعبہ کے پردے پر پڑی، اور اُس پردے میں آگ لگ گئی جو مشرکینِ مکہ نے چڑھا رکھا تھا۔(۲)

---

(۱) نکث الهمیان فی نکت العمیان: ۱/۶۷۔ (۲) فتح الباری ابن حجر: ۵/۲۵۰۔

فتح مکہ کی خوشی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کا تیار کیا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف' اسلامی تاریخ میں پہلی بار چڑھانے کا حکم دیا۔ آپ کے عہد سعادت مہد میں دس محرم الحرام کو نیا غلاف چڑھایا جاتا تھا، پھر یہ غلاف' عیدالفطر کو اور دوسرا دس محرم کو چڑھایا جانے لگا، بعدازاں حج کے موقع پر غلاف کعبہ چڑھانے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ نو اور دس ہجری میں جب آپ نے حجۃ الوداع فرمایا تو اس وقت غلاف چڑھایا گیا، اور پھر اس زمانے سے لے کر آج تک ملت اِسلامیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خوبصورت اور قیمتی کپڑے سے تیار کردہ غلاف اسی موقع پر چڑھاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اپنے دور میں مصری کپڑے کا قباطی غلاف چڑھایا کرتے تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہلے پرانا غلاف اُتار کر زمین میں دفن کردیا کرتے تھے؛ لیکن بعد میں پھر اس کے ٹکڑے حجاج اور غربا میں تقسیم کرنا شروع کردیا۔(۱)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسلام کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے پرانے غلاف پر غلاف چڑھایا اور سال میں دو مرتبہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی رسم ڈالی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں غلاف کعبہ کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی۔ زمانۂ قدیم میں یہ دستور تھا کہ جب حجاج کرام دس محرم تک اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے جاتے تب کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا۔

اسی طریقے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفا کے زمانے میں بھی عمل ہوتا رہا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں دس محرم کے علاوہ ایک

---

(۱) اخبار مکہ ازرقی: ۱/۳۲۷ حدیث: ۲۷۶...... جامع الاحادیث: ۱۸۹/۲۶ حدیث: ۲۸۸۶۰...... فتح الباری ابن حجر: ۲۵۰/۵ حدیث: ۱۴۹۱...... عمدۃ القاری: ۲۳۷/۹...... کنز العمال: ۱۰۱/۱۴ حدیث: ۳۸۰۵۳...... البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۳۱۳/۷...... المجموع: ۴۶۰/۷...... حاشیۃ الجمل: ۱۳۵/۹...... فتاوی السبکی: ۲۴/۲۔

اور غلاف عید الفطر کے دن بھی چڑھایا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج بن یوسف نے دیباج کے غلاف چڑھائے۔ زمانۂ جاہلیت میں مختلف لوگ اپنی اپنی طرف سے یہ عمل کرتے تھے؛ لیکن اسلامی دور میں غلاف چڑھانا حکومت کی ذمہ داری قرار پائی۔

مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ہم کعبہ پر غلاف چڑھائیں؟ انہوں نے فرمایا: اب تمہاری طرف سے اس خدمت کو حکمرانوں نے سنبھال لیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے :

كسوة البيت على الأمراء . (۱)

یعنی بیت اللہ کا غلاف حکمرانوں کے ذمے ہے۔

خلفاے بنو عباس نے اپنے ۵۰۰ سالہ زرّیں دورِ حکومت میں ہر سال بغداد سے غلاف بنوا کر مکہ مکرمہ روانہ کیے۔ عباسیوں نے اپنے دور حکومت میں غلاف کعبہ کی بنوائی میں خصوصی دلچسپی لی اور اس کو انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب بنایا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے سال میں دو مرتبہ اور مامون الرشید نے سال میں تین مرتبہ غلافِ کعبہ کو تبدیل کرنے کا اہتمام کیا۔ خلیفہ مامون الرشید نے سفید رنگ کا غلاف چڑھایا تھا۔

خلیفہ ناصر عباسی نے ۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ کی ابتدا میں سبز اور پھر سیاہ ریشم کا غلاف بنوا کر بھیجا۔ تب سے آج تک سیاہ غلاف ہی چڑھایا جا رہا ہے۔

۷۵۱ھ میں مصر کے بادشاہ ابن ناصر نے غلاف کی تیاری پر اٹھنے والے مصارف کے لیے قاہرہ کے چند دیہات کی آمدنی وقف کر دی تھی وہ ہر سال بڑے تزک واحتشام اور اور شوکت وشان سے غلاف کعبہ تیار کروا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا کرتا تھا۔ روانگی کے موقع پر بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ غلاف کو محل میں رکھ کر ہر خاص وعام کو زیارت کا موقع دیا جاتا اور جلوس نکالا جاتا تھا، پھر جب غلاف مکہ مکرمہ پہنچتا تو اس کا شاندار استقبال کیا جاتا۔

---

(۱) اخبار مکہ ازرقی: ۳۱۵/۱ حدیث: ۲۶۵۔

۸۱۰ھ میں غلاف کعبہ بڑے خوبصورت انداز میں جاذب نظر بنایا جانے لگا جیسا کہ آج بھی نظر آتا ہے۔مصر پر سلطنت عثمانیہ کے قبضے کے بعد سلیمان اعظم نے سات گاؤں کی مزید آمدنی غلافِ کعبہ کے لیے وقف کر دی۔اس عظیم وقف کی آمدنی سے ہر سال کعبہ کا غلاف مصر سے بن کر آنے لگا۔اس کے علاوہ خانۂ کعبہ کے اندر کے پردے بھی وقتاً فوقتاً اسی وقف سے بنا کر بھیجے جاتے رہے۔اس زمانہ میں اس وقف شدہ زمین کی کل آمدنی موجودہ زمانہ کے ایک لاکھ پچاس ہزار مصری درہم کے برابر تھی۔

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک غلافِ کعبہ مصر ہی سے تیار ہو کر آیا کرتا تھا۔یہ قاہرہ کے ایک خصوصی کارخانہ میں بنایا جاتا تھا جو صرف غلافِ کعبہ ہی تیار کرتا تھا۔شوال کی ۲۱ رتاریخ کو غلاف تیار ہو کر مصر سے مکہ روانہ کیا جاتا، یہ دن مصر میں چھٹی کا دن ہوتا تھا۔مصر میں یہ دن ایک بہت بڑے تہوار کے طور پر منایا جاتا رہا۔سلیمان دوم کے عہد حکومت سے غلافِ کعبہ مصر سے جاتا تھا۔

سلطان محمود غزنوی نے ایک مرتبہ زرد رنگ کا غلاف بھیجا۔

غلافِ کعبہ کے چاروں طرف زری کے کام کی پٹی بنانے اور اس پر کعبۃ اللہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات لکھوانے کا یہ سلسلہ سب سے پہلے ۷۶۱ھ میں مصر کے سلطان حسن نے شروع کیا،اس کے بعد سے آج تک یہ طریقہ جاری ہے۔

غلاف کے ایک طرف سورۂ آل عمران کی یہ آیت لکھی جاتی ہے :

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکاً وَّھُدیً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ فِیۡہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرَاھِیۡمَ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِناً وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلاً وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (سورۂ آل عمران:۳/۹۶،۹۷)

اور دوسری طرف سورۂ مائدہ کی یہ آیت رقم کی جاتی ہے :

جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰماً لِّلنَّاسِ وَ الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَالْھَدْیَ وَالْقَلآئِدَ ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ o (سورۂ مائدہ:۵/۹۷)

تیسری طرف سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیات درج کی جاتی ہیں :

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰاھِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ o رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ، وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o (سورۂ بقرہ:۲/۱۲۷، ۱۲۸)

اسی طرح چوتھی جانب اس فرماں روا (بادشاہ) کا نام لکھا جاتا ہے جس کی طرف سے غلاف بنا کر بھیجا گیا ہو۔اس وقت ان آیات کے نیچے اسی خط اور انداز میں یہ عبارتیں درج ہوتی ہیں کہ ’’یہ غلاف مکہ مکرمہ میں تیار ہوا اور خادم الحرمین الشریفین کی طرف سے اسے خانۂ کعبہ کو بطور تحفہ پیش کیا گیا۔اللہ تعالی اسے قبول فرمائے‘‘۔

تازہ ترین غلاف کی تیاری پر دو کروڑ سعودی ریال خرچ ہوئے ہیں۔

گزشتہ صدی کے آغاز تک غلافِ کعبہ دنیا کے سیاسی حالات سے محفوظ رہا۔جنگیں ہوتی رہیں، سلطنتوں کے تعلقات بنتے اور بگڑتے رہے؛ مگر خانۂ کعبہ کے لیے غلاف جہاں سے آیا کرتا تھا وہیں سے آتا رہا؛ لیکن گزشتہ صدی کے آغاز میں دنیا کے سیاسی حالات اس پر بھی اَثر انداز ہوئے ۔ جنگ عظیم اوّل میں جب ترکی سلطنت جرمنی کے ساتھ شریک جنگ ہوئی تو اسے اندیشہ ہوا کہ مصر سے غلاف کے آنے میں انگریز رکاوٹ بنے گا، ایسے میں ترکی نے ایک شاندار غلاف استنبول سے تیار کرا کے حجاز ریلوے کے ذریعے مدینہ منورہ بھیج دیا۔عین وقت پر مصر سے بھی غلاف پہنچ گیا، تو ترکی سے آیا ہوا غلاف مدینہ منورہ میں محفوظ کر دیا گیا۔

۱۹۲۳ء میں شریف حسین اور مصر کے حالات آپس میں خراب ہو گئے اور مصری حکومت نے عین حج کے موقع پر جدہ پہنچے ہوئے غلاف کو واپس منگوالا۔ خوش قسمتی سے اس وقت جنگ کے زمانہ میں بھیجا ہوا ترکی کا غلاف کام آ گیا۔ اسے فوری طور پر مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ پہنچایا گیا۔

۱۹۲۵ء میں سلطان ابن سعود اور شریف حسین کی لڑائی کے زمانے میں مصر سے پھر غلاف نہ آیا۔ ابن سعود نے عراق کا بنا ہوا ایک غلاف چڑھا دیا جو شریف حسین نے بنوا کر رکھا ہوا تھا۔

۱۹۲۷ء میں ٹھیک یکم ذوالحجہ کو حکومت مصر نے غلاف بھیجنے سے پھر انکار کر دیا اور ابن سعود کو فوراً مکہ مکرمہ سے ایک غلاف بنوانا پڑا۔ ان تلخ تجربات کی بنا پر مکہ مکرمہ میں ایک 'دارالکسوۃ' قائم کر دیا گیا تاکہ مصر سے آئے دن غلاف نہ آنے کی مصیبت کا مستقل حل نکالا جا سکے۔

۱۹۲۷ء میں شاہ عبدالعزیز السعود نے وزیر مالیات عبداللہ سلیمان المدن اور اپنے فرزند شہزادہ فیصل کو حکم دیا کہ وہ غلافِ کعبہ کی تیاری کے لیے جلد از جلد ایک کارخانہ قائم کریں اور غلاف کی تیاری شروع کر دیں چنانچہ انہوں نے فوری طور پر 'دارُ الکسوۃ' کے نام سے ایک کارخانہ قائم کر کے ہندوستانی کاریگروں کی نگرانی میں غلاف کی تیاری شروع کر دی اور یوں سعودیہ کے کارخانے میں تیار ہونے والا یہ پہلا غلافِ کعبہ تھا۔

غلافِ کعبہ کی تیاری میں دنیا کا سب سے بہترین کپڑا اِستعمال کیا جاتا ہے۔ ۶۷۰ کلو گرام خالص سفید ریشم اور ۷۲۰ کلو گرام مختلف رنگ اس کو رنگنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ کل کپڑا تقریباً ۶۶۰ مربع میٹر ہوتا تھا۔ پورا غلافِ کعبہ ۵۴ ٹکڑوں سے بنتا ہے اور ان میں ہر طول ۱۴ میٹر، عرض ۹۵ سینٹی میٹر اور پورے غلاف کی پیمائش ۲۶۵۰ مربع میٹر ہوتی ہے؛ جب کہ غلاف کی پٹی کا گھیر ۴۵ میٹر اور عرض ۹۵ سینٹی میٹر ہوتا ہے جو ۱۶ مختلف ٹکڑوں

کو ملا کر جوڑا جاتا ہے؛ نیز غلاف پر ۱۵۰ کلو گرام سونے اور چاندی کے دھاگوں سے کشیدہ کاری کی جاتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کام کو مشین کی بجائے ہاتھ سے ہی انجام دیا جاتا ہے؛ اس لیے کہ ہاتھ کی کاریگری انسانی کمال کا فنی ورثہ تصور کی جاتی ہے۔

جب حجاجِ کرام منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو ۹/ذی الحجہ کو نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ پردوں کو رسوں سے باندھ کر اوپر اٹھا دیتے ہیں، اور نیچے سے بیت اللہ شریف کے بڑے بڑے کالے رنگ کے پتھر دکھائی دیتے ہیں۔ غلاف کی سلائی اس طرح کی جاتی ہے کہ بابِ کعبہ، حجر اسود اور رکن یمانی کی جگہ کھلی رہتی ہے۔

خانۂ کعبہ کا دروازہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے، اور اس کا پردہ نہایت عمدہ اور نفیس کالے ریشم سے بنایا جاتا ہے جب کہ باقی غلاف بھی اسی رنگ کا ہوتا ہے؛ لیکن اس کی دلکش اور جاذبِ نظر ترتیب و کتابت اس کو دوسرے حصے سے ممتاز بنا دیتی ہے۔ غلاف کے چاروں اَطراف میں مربع شکل میں سورۂ اخلاص کی کڑھائی کی جاتی ہے۔ غلاف کے اوپر حج سے متعلقہ آیاتِ قرآنیہ اور اس کے نیچے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام سیم وزر کی پالش شدہ ڈوری سے لکھے جاتے ہیں۔ یہ آیتیں خط ثلث میں لکھی جاتی ہیں جو عربی کا سب سے خوبصورت خط تصور کیا جاتا ہے۔

اللہ جل مجدہ اپنے مقدس گھر کی عظمت ورفعت روز افزوں کرے۔ کعبہ کی معطر معطر فضاؤں میں ہمیں پھر سانس لینے اور ''کعبے کے کعبہ'' کا دل کی آنکھوں سے نظارہ کرنے کی بار بار توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ابو رفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

طوافِ خانۂ کعبہ کی فضیلت

خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران وقوع پذیر ہونے والے عبرت خیز اور سبق آموز واقعات وحکایات کا مطالعہ شروع کرنے سے قبل بہتر ہوگا کہ موقع کی مناسبت سے طوافِ خانۂ کعبہ کے کچھ فضائل بھی بیان کر دیے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیت اللہ کے گرد طواف کرنا نماز ہی ہے؛ لیکن (نماز کے برعکس) اس میں کلام کیا جاسکتا ہے؛ لہٰذا جو طواف کے دوران گفتگو کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اچھی بات ہی کہے۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے مروی کہ تاجدارِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جس نے پچاس مرتبہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ فرماتے ہوئے سنا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں صرف ان دو رکنوں حجرِ اَسود اور رکن یمانی کا ہی اِستلام کرتے دیکھتا ہوں؟۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا: میں ایسا کیوں نہ کروں، میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان دو رکنوں کا اِستلام کرنا گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

---

(۱) جامع الترمذی:۲۹۳/۳ حدیث: ۹۶۰...... مشکوٰۃ المصابیح ۷۹/۲ حدیث: ۲۵۷۶...... مسند جامع: ۲۰/ ۱۱۳ حدیث:۶۲۷۳ ......مسند الصحابۃ فی الکتب التسعۃ :۴۴۰/۲۹ حدیث:۳۲۳۔

(۲) جامع الترمذی:۲۱۹/۳ حدیث: ۸۶۶......جمع الجوامع سیوطی : ۲۳۴۸۷/۱ حدیث: ۵۵۸۵...... بشارۃ المحبوب بتکفیر الذنوب:۱۰/۱......الترغیب والترہیب:۱۲۳/۲حدیث:۱۷۶۳......العہود المحمدیہ:۱۰۳۔

اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جس نے گن کر سات مرتبہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور پھر دو رکعتیں اَدا کیں تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ نیز مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ طواف کرتے ہوئے آدمی کے ہر قدم کے بدلے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اس کے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں اور دس درجات بلند کیے جاتے ہیں۔(۱)

ایک روایت میں یوں بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں رکنوں کو چھونا گناہوں کا کفارہ ہے۔ نیز یہ کہ بندے کے ایک قدم رکھنے اور دوسرا قدم اُٹھانے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا ایک گناہ مٹاتا ہے اور اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بیت الحرام کا حج کرنے والوں پر روزانہ ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں کے لیے، چالیس نمازیوں کے لیے اور بیس خانۂ کعبہ کو (بہ نگاہِ محبت) دیکھنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔(۳)

حضرت حمید بن ابوسویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ہشام کو بیت اللہ کے طواف کے دوران حضرت عطا بن ابی ریاح سے رکن یمانی کے بارے میں سوال کرتے ہوئے سنا تو انھوں نے فرمایا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اس رکن یمانی پر) ستر فرشتے موکل (مقرر) ہیں جب کوئی شخص یہ دعا مانگتا ہے :

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ:۲۱۸/۴حدیث:۲۷۲۹...... مسند احمد بن حنبل:۳/۲حدیث:۴۴۶۲۔

(۲) جامع الترمذی:۲۹۲/۳حدیث: ۹۵۹...... صحیح ابن حبان:۱۰/۹حدیث: ۳۶۹۷...... مسند ابویعلی موصلی: ۴۴۳/۱۱ حدیث: ۵۵۵۶...... مشکوٰۃ المصابیح:۸۰/۲ حدیث: ۲۵۸۰...... کنزالعمال:۸۲/۵ حدیث: ۱۱۹۹۵...... مسند الصحابۃ فی الکتب التسعۃ:۵۰/۱۷ حدیث:۳۱۷۔

(۳) الترغیب والترہیب: ۱۸۱/۱حدیث: ۲۲۷...... جمع الجوامع سیوطی:۹۰۰۵/۱ حدیث: ۲۷۹۱...... اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ:۵۷/۳...... کنزالعمال:۳۵۴/۱۲ حدیث:۳۴۶۳۰۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَ العَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ .

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے دنیا وآخرت میں عفو وعافیت کا سوال کرتا ہوں۔
اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔
تو اس دعا پر وہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔

جب حضرت عطا بن ابی رباح طواف کرتے ہوئے رکن اَسود پر پہنچے تو ابن ہشام نے عرض کیا: اے ابو محمد! اس رکن اسود کے متعلق آپ کو کون سی حدیث پہنچی ہے؟ فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے رکن اَسود کو پکڑا گویا اس نے رحمٰن کا دستِ قدرت تھام لیا۔

پھر ابن ہشام نے یوں ہی طواف کے متعلق سوال کیا تو حضرت عطا نے فرمایا: مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا اور :

سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إلٰه إلااللّٰه واللّٰه أكبر ولا حول ولا قوة إلاباللّٰه

پڑھنے کے علاوہ کوئی بات نہ کی تو اس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے، اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس درجات بلند کیے جائیں گے۔ نیز جس نے طواف کے دوران باتیں کیں اور اسی میں لگا رہا تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس نے پانی میں اپنا پاؤں ڈالا، اسی طرح اِس شخص نے اللہ کی رحمت میں اپنا پاؤں تو ڈالا (مگر اس کا اسے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا)۔(۱)

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۹۸۵/۲ حدیث: ۲۹۵۷...... مشکوٰۃ المصابیح: ۸۲/۲ حدیث: ۲۵۹۰...... جمع الجوامع: ۲۵۵۱۸ حدیث: ۱۹۷...... مسند جامع: ۲۳۸/۴۱ حدیث: ۱۳۳۷۵...... کنز العمال: ۳۹۷/۱۲ حدیث: ۳۴۷۵۳...... تلخیص الحبیر: ۲۴۸/۲ حدیث: ۱۰۲۶۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں: جس نے کامل وضو کیا، پھر رکن کا اِستلام کرنے آیا تو وہ رحمت میں ڈوب گیا اور جب وہ اِستلام کرلے اور یہ پڑھے :

بسم اللّٰہ و اللّٰہ أکبر أشهد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحده

لا شریک له و أشهد أن محمداً عبده و رسوله

تو رحمت اسے اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے۔

پھر جب وہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ہر ہر قدم پر اس کے لیے ستر ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے ستر ہزار گناہ مٹاتا ہے اور اس کے ستر ہزار درجات بلند فرماتا ہے، نیز ستر (۷۰) رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پھر جب وہ مقام ابراہیم پر آ کر ایمان واخلاص اور نیت ثواب کے ساتھ دو رکعتیں اَدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اولادِ اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھتا ہے اور وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔(۱)

حضرت ابو عقال رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بارش کے دوران حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ جب ہم طواف مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم پر حاضر ہوئے اور دو رکعتیں اَدا کیں تو حضرت انس نے ہم سے فرمایا: اب نئے سرے سے عمل شروع کرو؛ کیونکہ تمہاری مغفرت ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ جب ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بارش کے دوران طواف کیا تھا تو آپ نے ہم سے اسی طرح فرمایا تھا۔(۲)

---

(۱) الترغیب والترہیب: ۱/۱۸۲ حدیث: ۱۷۴۰...... اخبار مکہ فاکہی: ۲/۱۱۰ حدیث: ۵۱۰۔

(۲) ابن ماجہ: ۲/۱۰۴۱ حدیث: ۳۱۱۸...... مسند جامع: ۲/۴۲۵ حدیث: ۶۶۸...... کشف الخفاء: ۲/۲۶۰۔

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

اور سنگ اَسود بوسے دینے لگا

مفسر قرآن علامہ قاضی ثناءُ اللہ پانی پتی نے ''تفسیر مظہری'' میں سورۂ نور کے تحت ایک بڑا اَنوکھا اور عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور سید کونین وسیلہ دارین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر مکہ معظّمہ سے روانہ ہونے لگیں تو انھوں نے پہلے خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر خانۂ کعبہ کے قریب پہنچیں تو اُن کے دل نے چاہا کہ حجر اَسود کو بوسہ دیتے چلیں؛ مگر ابھی وہ خود آگے نہ بڑھی تھیں کہ اُدھر سے خود سنگ اَسود اپنی جگہ سے حرکت کر کے آگے بڑھا اور اس نے حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کے بوسے لینے شروع کر دیے۔(۱)

قربان میں تیری جرأت پر!

حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ قریش مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامِ مکہ کے دوران جتنی اِیذائیں پہنچائی اُن میں سخت ترین اَذیت کون سی تھی؟۔

---

(۱) تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی: ۶/۵۲۸۔مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان۔

حاشیہ: یہ واقعہ مجھے تفسیر مظہری کے علاوہ مصادرِ عربیہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ملا؛ تاہم واقعے کی ندرت واہمیت کے پیش نظر اسے شامل کتاب کرلیا گیا ہے۔ اور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ایسے خوارق کا وقوع کوئی بعید بات نہیں!۔ اللہ ورسولہ اعلم۔ -چریاکوٹی-

ابن عمر نے جواب دیا کہ ایک دن سرادارانِ قریش، حجرِ اَسود کے قریب جمع ہوئے اور انھوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص کے سلسلے میں ہم نے بے اِنتہا صبر اور برداشت سے کام لیا ہے۔ اس نے ہمارے عقلمندوں کو بے وقوف کہا۔ ہمارے آباؤ اَجداد کو گالیاں دیں، ہمارے دین میں کیڑے نکالے، ہماری جماعت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا، اور ہمارے معبودوں کے متعلق توہین آمیز باتیں کہیں۔ واقعتاً ہم لوگوں نے ایک بڑے معاملے پر صبر کیا ہے۔ اسی دوران سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور حجرِ اَسود کو بوسہ دیا، پھر خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے قریب سے گزرے۔

اس موقع پر ان لوگوں نے آپ پر فقرے کسے اور آپ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے جن کا اَثر آپ کے چہرۂ مبارک پر نمودار ہوا؛ لیکن آپ طواف میں مشغول رہے۔ دوسری بار پھر قریشیوں نے اسی طرح کے توہین آمیز الفاظ کہے، اس موقع پر بھی آپ کے روے انور کا رنگ متغیر ہوا۔ تیسری مرتبہ پھر اہل قریش نے پھبتیاں کسیں، تو اس مرتبہ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا :

أ تسمعون يا معشر قريش أما والذي نفس محمد بيده لقد جئتكم بالذبح .

یعنی اے گروہِ قریش! کان کھول کر سن لو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، میں تمہارے لیے ذبح یعنی موت کا پیغام لایا ہوں۔

یہ سن کر حاضرین نے اپنی گردنیں نیچی کرلیں اور اس طرح خاموش ہوگئے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ اس تنبیہ کے بعد قریش کے وہ لوگ جو طواف کے دوران آپ کو اِیذا پہنچانے میں پیش پیش تھے، آپ کی دلداری کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم! آپ سلامتی کے ساتھ تشریف لے جائیں بخدا آپ نادان نہیں ہیں۔

دوسرے دن وہ لوگ پھر اسی طرح جمع ہوئے اور آپ کا تذکرہ شروع ہوا۔ میں بھی اُن کے ساتھ شامل تھا، وہ لوگ کل کے واقعہ پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ وہ کل ہمیں کیا دے گیا اور ہم نے اسے کیا دیا۔ ذرا سوچو کہ اس نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو ہمیں ناپسند ہے، اور ہم نے اس کے باوجود اسے جانے دیا۔

ابھی یہ ذکر ہو ہی رہا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمودار ہوئے، وہاں موجود لوگوں نے یکبارگی آپ پر یلغار کر دی اور آپ کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور آپ سے اس طرح کے اِستفسارات کرنے لگے کہ اے محمد! کیا تو ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے؟، کیا تو ہمارے دین کو غلط بتلاتا ہے؟؟، وغیرہ وغیرہ۔

آپ اُن کے ہر سوال کے جواب میں فرماتے کہ ہاں! میں یہی کہتا ہوں، ہاں! میں نے یہی کہا ہے۔ آپ کے جواب سے وہ اور بھی براَفروختہ ہوئے اور ایک قریشی نے آپ کی چادر پکڑ کر گھسیٹنی شروع کر دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے رو رہے تھے اور اہل قریش سے کہہ رہے تھے کہ تمہارا خانہ خراب ہو، بدبختو! کیا تم ایک شخص کو محض یہ کہنے پر مار ڈالنا چاہتے ہو کہ 'میرا رب اللہ ہے'۔ اس پر قریش نے آپ کو چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اے عروہ! میں نے نہیں دیکھا کہ قریش نے اِس سے قبل آپ کو اِس قدر اِیذا پہنچائی ہو۔(۱)

---

(۱) تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۱۳/۱۰ حدیث: ۱۵۹۸۳......صحیح ابن حبان: ۵۲۵/۱۴ حدیث: ۶۵۶۷......مسند احمد بن حنبل: ۲۱۸/۲ حدیث: ۷۰۳۶......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴۲۹/۵ حدیث: ۹۸۱۲......دلائل النبوۃ بیہقی: ۱۶۱/۲ حدیث: ۵۷۸......المسند الجامع: ۴۷۷/۲۶ حدیث: ۸۷۰۹......تخریج احادیث الاحیاء: ۲۵۸/۵ حدیث: ۲۲۵۸......موسوعۃ الدفاع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۲۴/۱......تاریخ الطبری: ۷۱/۲......مختصر تاریخ دمشق: ۱۵۴/۱......السیر ۃ النبویۃ ابن اسحاق: ۸۲/۱......تاریخ الرسل والملوک: ۴۰۳/۱......البدایۃ والنہایۃ: ۴۶/۳۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اَعدا تیرے

حضرت عروہ بن زبیر اور دیگر محدثین سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کا طواف کررہے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ پھر آپ بھی جبرئیل کے پہلو میں کھڑے ہوگئے۔

اسی اثنا میں اَسود بن ابوزمعہ سے آپ کے بغل سے گزرا، تو حضرت جبرئیل نے سبز کاغذ کا ایک ٹکڑا اس کے چہرے کی طرف پھینکا، اور وہ یکایک اندھا ہوگیا۔

پھر اَسود بن عبدیغوث آپ کے پاس سے گزرا۔ حضرت جبرئیل نے اس کے پیٹ کی طرف اِشارہ کیا وہ فوراً استسقا کی بیماری میں مبتلا ہوکر مرگیا۔

پھر ولید بن مغیرہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے گزرا تو جبرئیل نے اس کے ٹخنے کے نیچے موجود زخم کے نشان کی طرف اِشارہ کیا، یہ زخم اسے دو سال قبل اس وقت لگا تھا جب اس کا گزر بنوخزاعہ کے ایک آدمی کے پاس سے ہوا تھا جو اپنے تیروں کو پر لگا رہا تھا، اس کا ایک تیر ولید کی چادر میں پھنس گیا جس کے باعث اُسے ٹانگ پر خراش آگئی، اسی زخم کے دوبارہ خراب ہونے کے باعث اس کی موت آگئی۔

پھر عاص بن وائل گزرا، جبرئیل علیہ السلام نے اس کے تلوے کی طرف اِشارہ کیا، وہ اپنے گدھے پر سوار ہوکر عازمِ طائف ہوا، رستے میں گر پڑا اور تلوے میں ایک کیل کے گھس جانے کے باعث ہلاک ہوگیا۔

پھر حارث بن طلاطلہ گزرا تو جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے سر کی طرف اِشارہ کیا اسے خون اور پیپ آنے لگی جس کی وجہ سے وہ موت کے گھاٹ اُتر گیا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کا سرغنہ ولید بن مغیرہ تھا جس

نے ان سب کو اکٹھا کیا تھا۔(۱)

عفو و درگزر کی اعلیٰ ترین مثالیں

اسلام کی روشن کرنیں چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔مختلف علاقوں کے لوگ اور متعدد قبائل، اسلام قبول کر چکے تھے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کے شدت سے منتظر تھے جب مکہ فتح ہو۔

ہجرت کا آٹھواں سال شروع ہو چکا تھا۔قریش مکہ ابھی تک بت پرستی میں مبتلا تھے۔ ہدایت واضح بالکل تھی، اور کھلے دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا تھا کہ بت نفع اور نقصان کے مالک نہیں، یہ محض پتھر ہیں، خود انسانوں کے تراشیدہ، خود ان ہی کے بنائے ہوئے۔

اور پھر وہ مبارک دن بھی آ گیا جب تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا۔اس کے بیس دن گزر چکے تھے۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظّمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

ذرا قریش کے متکبر و مغرور اور تنومند جوانوں کو دیکھیں اور ان کے مددگاروں کی طرف نظر دوڑائیں، آج کس طرح ذلیل و خوار ہو کر جان کے خوف سے مارے مارے پھر رہے ہیں۔کون سے ظلم اور جرائم ہیں جو انھوں نے نہیں کیے۔آج وہ تمام صفا پہاڑی کے دامن میں کھڑے ہیں۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۵۵۲/۴۔

حاشیہ: اصل میں یہ کفار کے رؤسا اور اَشراف تھے جو گاہے بگاہے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑایا کرتے تھے، اور آپ کو تکلیف دینے اور چھیڑ خانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ یہ پانچ بد بخت تھے اور سب عمر رسیدہ تھے۔بنو اسد میں سے اَسود بن ابی زمعہ، بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد یغوث، بنو مخزوم سے ولید بن مغیرہ، بنو سہم سے عاص بن وائل اور بنو خزاعہ سے حارث بن طلاطلہ۔جب ان کی شرارت اور اِستہزا انتہا کو پہنچ گئی تو ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے حضرت جبرئیل نے باذنِ الٰہی یہ کارنامہ انجام دیا۔(ابن کثیر: ۵۵۲/۴) -چریا کوٹی-

فاتح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اسی بیت اللہ میں جہاں سے نکالے گئے تھے۔آپ نے خانۂ کعبہ کا طواف کرنا شروع کیا، اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے ہیں، کعبہ بتوں سے گھرا ہوا ہے اور آپ فرما رہے ہیں :

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ اِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً o (اسراء:۸۱/۱۷)

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا کہ باطل تو ہے ہی مٹنے کے لیے!۔

بتوں کو توڑا جا رہا ہے۔ وہ پاش پاش ہو رہے ہیں، اور ساتھ میں قریش کا تکبر وغرور بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔آج سے رب تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے ماننے والوں کا دور شروع ہو رہا ہے۔ اکیلے رب کا جو لاشریک ہے۔ بادشاہی اسی کی، حکومت اسی کی، اور تعریف اسی کی۔آج پھر کعبہ کے در و دیوار اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا سے گونج رہے ہیں۔ سیدنا بلال کی آواز پہاڑ کی چوٹیوں تک پہنچ رہی ہے۔آج مکہ کا ذرہ ذرہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دے رہا ہے۔آج محمد رسول اللہ کی عظمت کا پھریرا لہرا رہا ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کی خوشی میں بارگاہِ خداوندی میں سجودِ نیاز لٹا رہے ہیں اور سوغاتِ شکر پیش کر رہے ہیں۔مکہ والوں کی نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی ہیں اور دلوں میں اندیشے ہیں کہ آج نہ معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا!۔

اعلان ہوتا ہے: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اس کو امان ملے گی، جو بیت اللہ میں آ گیا اس کے لیے بھی امان ہے اور جو اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا اس کو بھی امان مل گئی۔

اس کے بعد آپ نے اہل قریش سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے قریشیو! تمہیں پتا ہے کہ آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟۔

آواز آئی: آپ سے تو خیر اور بھلائی ہی کی اُمید کی جا سکتی ہے۔آپ رحم وکرم والے بھائی اور رحم وکرم کرنے والے بھائی کے بیٹے ہیں۔

صدائے رحمت گونجی : لوگو! آج میں تم سے وہی کچھ کہوں گا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

اس کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ معظّمہ کے سات چکر لگائے، پھر بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور نماز اَدا کی۔

فتح مکہ اسلام کی تاریخ کا ناقابل فراموش واقعہ ہے۔اس روز اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت ووقار بخشا۔کفروشرک کو کاری ضرب لگی۔خانہ کعبہ میں اللہ کا کلمہ گونجا، اور مشرکین سے خانۂ خدا ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گیا۔اور پھر اس دن عفوودرگزر کی وہ مثالیں قائم ہوئیں کہ تاریخ ان کو دہرانے سے قاصر ہے۔

عرشِ الٰہی سے بھی بڑا گناہ

مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے آتا ہے کہ ایک دن آپ خانۂ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔دورانِ طواف آپ نے دیکھا کہ ایک شخص غلافِ کعبہ سے لپٹ کر یہ دعا مانگ رہا ہے :

برحمة هٰذا البيت إلا غفرت لي .

یعنی اے پروردگار! اس گھر کی حرمت کے طفیل مجھے معاف کردے۔

اس کا یہ اندازِ دعا سن کر آقائے رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ تم نے گناہ کیا کیے ہیں؟۔عرض کیا: یارسول اللہ! اتنا سنگین گناہ ہے کہ جس کو بیان کرنے کی میں اپنے اندر تاب نہیں رکھتا!۔

سرکار نے فرمایا: عجیب سی بات ہے۔اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے گناہ زیادہ ہیں یا زمین کے ساتوں طبق؟۔عرض کیا: یارسول اللہ! میرے گناہ کے سامنے یہ زمینیں کچھ معنی نہیں رکھتیں!۔

سرکار نے فرمایا: حیرت ہے تم پر۔چلو یہ بتاؤ کہ تمہارے گناہ بڑے ہیں یا پہاڑ؟۔عرض کیا: یارسول اللہ! دنیا کے اِن پہاڑوں سے میرے اس عظیم گناہ کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا!۔

سرکار نے فرمایا: تو تمہارے گناہ بڑے ہیں یا یہ نیلگوں آسمان؟۔عرض کیا: یارسول اللہ! میرے گناہ آسمانوں سے بھی بڑے ہیں۔سرکار نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا گناہ بڑا ہے یا عرشِ الٰہی؟۔عرض کیا: میرے گناہ۔سرکار نے فرمایا: تو کیا تمہارے گناہ اللہ سے بھی بڑے ہیں؟۔عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! اللہ کی شان بلند و برتر ہے۔سرکار نے پوچھا: تو اب تو بتاؤ تم نے کیا گناہ کیا ہے؟۔

عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میں ایک دولت مند آدمی ہوں؛ مگر جب کوئی سائل میرے دروازے پر آکر دستِ سوال دراز کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے آگ کا کوئی دہکتا ہوا شعلہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو۔

یہ سن کر شفیقِ اُمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھ سے دور ہو جاؤ۔کہیں مجھے بھی اپنی آتش شعلہ فشاں سے نہ جلا دینا۔قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے ہدایت و کرامت کے ساتھ مبعوث فرمایا: اگر تم رکنِ اَسود و مقامِ اِبراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر ہزار سال بھی آہ و بکا اور گریہ وزاری کرو حتیٰ کہ تمہارے آنسوؤں سے نہریں بہہ نکلیں اور ان کا پانی درختوں کو سیراب کر ڈالے، پھر تم اسی بخل کی حالت میں مرجاؤ تب بھی تم لئیم ہی ٹھہرو گے اور اللہ تمہیں اوندھے منہ جہنم میں جھونکے گا۔

اے بندۂ خدا! کیا تجھے خبر نہ تھی کہ بخیلی (اہل ایمان کا نہیں بلکہ) کافروں کا شیوہ ہے، اور کفار، جہنم کے آتش سوزاں کا ایندھن بنیں گے۔

بربادی ہو تمہارے لیے، کیا تیرے کانوں تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پہنچا تھا:

وَ مَنۡ یَّبۡخَلۡ فَإِنَّمَا یَبۡخَلُ عَنۡ نَفۡسِہٖ o (سورۂ محمد:۳۸/۴۷)

وَ مَنۡ یُّوقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَأُولٰئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُونَ o (سورۂ حشر: ۹/۵۹......سورۂ تغابن:۱۶/۶۴) (۱)

(۱) تفسیر روح البیان:۱۵/۴/۳۷ تا ۳۷۵......نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس:۱/۱۹۳......احیاء علوم الدین:۳/۲۵۵؛ لیکن حافظ عراقی نے اسے موضوع، اور بے سند قرار دیا ہے۔واللہ و رسولہ اعلم -چریاکوٹی-

دستِ مصطفیٰ کی برکت

سیرتِ ابن ہشام میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانۂ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ دورانِ طواف فضالہ بن عمیر - جو ابھی دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا - اور آقا کا جانی دشمن تھا، اس نے دیکھا کہ موقع غنیمت ہے، محمد عربی طواف میں مشغول ہیں، چنانچہ وہ بھی جھوٹ مٹ مصروفِ طواف ہوگیا، ساتھ ہی ایک چھوٹا سا خنجر بھی اپنے بغل میں چھپائے ہوئے تھا، اس اُمید پر کہ جہاں وہ گھات میں آجائیں، وہیں اُن کا کام تمام کردے۔

چوں کہ کافروں کو عام آزادی دے دی گئی تھی، اور سب کے سب چھٹے پھر رہے تھے، بعض نے زبانی کلمہ تو پڑھ لیا تھا؛ مگر دل میں ابھی تک کفر و جاہلیت کے بت راج کررہے تھے؛ اس لیے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا اِرادہ لے کر بھی کوئی مصروفِ طواف ہوگا۔

چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ دورانِ طواف جب فضالہ آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغل سے گذرا تو نبی غیب داں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: کیا تو فضالہ ہے؟۔ اس نے عرض کی: ہاں، میں فضالہ ہوں۔

فرمایا: دِل میں کیا سوچ رہے، اور کس اِرادے سے مصروفِ طواف ہو؟۔ کہنے لگا: یارسول اللہ! ذکر الٰہی میں مشغول ہوں۔ اس کی یہ بات سن کر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: اچھا خدا کا ذکر کررہے ہو۔ پھر آپ نے اس کے سینے پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا کہ اپنے اِرادے سے توبہ کرو۔

فضالہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! کائنات میں سب سے زیادہ میرے نزدیک ناپسندیدہ محمد تھے؛ لیکن دست اقدس سینے پر لگنے کی دیر تھی کہ میری کایہ پلٹ گئی، اور ساری کائنات میں میرے نزدیک محبوب ترین محمد مصطفیٰ ہوگئے۔(۱)

---

(۱) عیون الاثر: ۲/۲۰۱...... سیرتِ ابن ہشام: ۲/۴۱۷...... شفا قاضی عیاض: ۱/۳۵۳۔

یا محمد ﷺ! اِنصاف سے کام لیجیے

حضرت عبداللہ بن حارث کے غلام جناب ابوالقاسم مقسم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں تلید بن کلاب لیثی کی معیت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے جوتے ہاتھوں میں لیے خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ جنگ حنین کے دن جب اُس تمیمی نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کلام کیا تھا تو کیا آپ اس وقت موجود تھے؟۔

فرمایا: ہاں۔ اَمر واقعہ یہ ہے کہ ذوالخویصرہ نامی ایک شخص قبیلہ بنی تمیم سے آیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مالِ غنیمت تقسیم فرمانے میں مشغول تھے۔ آپ کے سر پر کھڑا ہو کر وہ کہنے لگا: اے محمد (ﷺ)! میں دیکھ رہا ہوں کہ آج آپ تقسیم میں کیا کر رہے ہیں؟۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا تو تم نے کیا دیکھ لیا؟۔

بولا: یہی دیکھ رہا ہوں کہ آپ انصاف سے کام نہیں لے رہے ہیں!۔

(اس کی یہ بکواس سن کر) چہرۂ نبوت پر غضب کے آثار نمودار ہو گئے اور فرمایا: تیرا خانہ خراب! اگر میں ہی عدل نہ کروں تو پھر دنیا میں عدل کہاں ہوگا؟۔

اُدھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو رہے ہیں، اپنے غصے کو ضبط نہ کر سکے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اِجازت دیں تاکہ اس بدبخت نامراد گستاخِ رسول کی گردن اُڑا دوں؟۔

رسولِ غیب داں علیہ السلام نے فرمایا: نہیں ایسا نہ کرو، اسے اپنے حال پر چھوڑ دو؛ کیوں کہ (میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ میری اُمت میں) اس کی سی فکر وسوچ کے بہت سے حاملین پیدا ہوں گے، جنھیں بظاہر دین میں توتعمق اور کمال حاصل ہوگا؛ مگر حقیقت یہ ہوگی کہ وہ دین سے ایسے ہی نکلے ہوے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل چکا ہوتا ہے۔ اور پھر تمھیں

پیکان و تیر میں کچھ بھی نہ ملے گا؛ کیوں کہ وہ تو' لید اور خون سے آگے گزر چکا ہے۔(۱)

مقام مردِ مومن

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خانۂ کعبہ کا طواف کررہے تھے کہ دورانِ طواف آپ نے کعبہ کو مخاطب کرکے فرمایا: اے کعبۃ اللہ! بے شک تیرا رتبہ بلند ہے اور تو عظمت کا حامل ہے؛ مگر مومن کی عزت وحرمت اور اس کا مقام ومرتبہ اللہ کی نگاہ میں تجھ سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔ الفاظِ حدیث یوں ہیں :

مرحبا بک من بیت ما أعظمک، و أعظم حرمتک و للمؤمن أعظم عند اللّٰہ حرمة منک . (۲)

ایک دوسرے مقام پرآقاے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمایا :

ما أطیبک و أطیب ریحک، ما أعظمک و أعظم حرمتک، و الذي نفس محمد بیده، لحرمة المؤمن أعظم عند اللّٰہ حرمة منک ماله و دمه و أن نظن به خیرا . (۳)

یعنی (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے۔تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے!۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان ومال کی حرمت' اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔

---

(۱) السنۃ لابن ابی عاصم:۲/۴۵۷ حدیث:۷۷۷......السنۃ لعبداللہ بن احمد:۳/۴۲۱ حدیث:۱۳۷۴۔

(۲) سنن ابن ماجہ : ۱۱/۴۱۸ حدیث:۳۹۲۲...... شعب الایمان بیہقی: ۹/۴۱ حدیث:۳۸۵۳...... مسند الشامیین:۵/۱۶۵ حدیث:۱۵۳۸......صحیح ابن حبان:۲۴/۵۵ حدیث:۵۸۵۷۔

(۳) سنن ابن ماجہ:۲/۱۲۹۷ حدیث:۳۹۳۲......مسند شامیین طبرانی:۲/۳۹۶ حدیث:۱۵۶۸......الترغیب والترہیب منذری:۳/۲۰۱ حدیث:۳۶۷۹۔

حضرت مولائے روم نے اپنی اِس رباعی میں اسی حقیقت کی طرف اِشارہ کیا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ گم گاہِ خلیل آزر است　　　دل گزرگاہِ جلیل اکبر است

حضرت ابوعبداللہ بن فضل بلخی اس کی صوفیانہ تشریح کرتے ہوئے سخن پرداز ہیں:

مجھے تعجب ہے اس آدمی پر جو خانۂ کعبہ تک جانے کے لیے کوہ و دمن اور دشت وصحرا کو طے کرتا ہے تاکہ وہاں انبیا علیہم السلام کی نشانیاں دیکھے۔ مگر اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کی سرحد کو عبور کر کے اپنے حرمِ دل تک نہیں پہنچتا؛ حالاں کہ کعبۂ دل میں اُس کے مالک ومولا کے آثار ہویدا ہیں۔

مطلب یہ کہ دل معرفت حق کا مقام ہے اور اس کعبہ سے عظیم تر ہے جس طرف جبین بندگی خم ہوتی ہے؛ یعنی خلق رو بہ قبلہ ہوتی ہے جب کہ حق رو بہ دِل ہوتا ہے۔(۱)

مذکورہ حدیث پاک کو دیکھیں اور عہد رواں کے کچھ خاص نام نہاد جہادیوں کو دیکھیں تو افسوس ہوتا ہے کہ ہم تعلیماتِ محمدی کی روح سے کس طرح یکسر بیگانہ ہو چکے ہیں۔ ہماری زندگیوں میں کتنا تضاد پایا جانے لگا ہے کہ ایک طرف تو ہم خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے تعظیم و اِحترام کے خیال سے تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتے؛ لیکن دوسری طرف ہم مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جان ومال کے ساتھ کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے!۔

یقیناً یہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کا وقت ہے کہ کہیں ہمارا طرزِ عمل منافقت کا آئینہ دار تو نہیں؟!!!۔

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ طواف کے دوران فضالہ بن عمیر آپ کی طرف

---

(۱) کشف المحجوب مترجمہ علامہ فضل الدین گوہر: ۲۲۰۔

بڑھے جو دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے طواف کرنے لگے۔ اُن کا اِرادہ تھا کہ موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں۔

وہ آپ کے قریب آئے تو آپ نے انھیں دیکھ لیا۔ آپ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: 'کیا فضالہ ہو'؟۔ انھوں نے جواب دیا: جی، یا رسول اللہ! فضالہ ہوں۔

آپ نے دریافت کیا: تمہارے دل میں ابھی کیا بات آئی تھی؟۔ فضالہ نے کہا: کچھ بھی نہیں، میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور کہا: استغفر اللہ۔ فضالہ کہتے ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا تو میرا دل پُرسکون ہو گیا۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا تھا کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہیں۔

اس کے بعد فضالہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں انھیں وہ عورت ملی جس سے اُن کی دوستی رہی تھی۔ عورت نے انھیں دیکھتے ہی کہا: فضالہ! آؤ، ذرا کچھ ہمارے پاس بھی بیٹھ لو۔ فضالہ نے نفی میں جواب دیا، اور یہ شعر پڑھے:

قالت هلم إلى الحديثِ فقلتُ لا ‏ ‏ ‏ يــأبى عليكِ اللّٰهُ والإسلام

لو مــا رأيتِ محمداً و قبيلَه ‏ ‏ ‏ بالفتح يوم تُكسَّرُ الأصنام

لــرأيتِ دين اللّٰه أضحى بيِّنا ‏ ‏ ‏ والشركُ يغشى وجهَه الأظلام

یعنی اس نے کہا: آؤ باتیں کریں۔ میں نے کہا: نہیں۔ اللہ اور اسلام تمہاری یہ بات نہیں مانتے!۔ اگر تم فتح کے دن محمد اور اُن کے زمرے کے اَفراد کو دیکھتی جس دن بت ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ تم دیکھتی کہ اللہ کا دین غالب آچکا ہے اور شرک کا چہرہ تاریکیوں نے ڈھانپ لیا ہے۔

بعد کے دنوں میں حضرت فضالہ بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔(۱) بلاشبہ نرمی جس شے میں ہو اُسے زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال لی جائے وہ بدنما ہو جاتی ہے۔

(۱) اخبار مکہ ازرقی: ۱/۱۶۰، رقم: ۱۳۴۔

دنیا کا بدترین انسان کون؟

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں طواف کرنے کی سعادت حاصل کررہا تھا۔تو میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ بتائیں کہ لوگوں میں برا ترین اِنسان کون ہے؟۔

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے منہ پھیرلیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ پھر میں نے یہی سوال دہرایا تو آپ نے مجھ سے اِعراض فرمایا اور جواب سے محروم رکھا۔ تیسری بار جب میں نے یہ سوال پیش کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا :

شرار العلماء .

یعنی برے علما (انسانوں میں سب سے بدتر ہیں)۔(۱)

کیا بات ہے اُس دیوانے کی

حضرت ابویونس باہلی سے مروی کہ میں نے مکہ شریف میں ایک رومی الاصل قصہ گو شخص کو سنا کہ وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کررہا تھا۔وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بیت اللہ شریف کا طواف کرتا اور اپنی دعا میں 'اَوَّہ اَوَّہ' کرتا۔

جب اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ 'اَوّاہ' یعنی بہت زیادہ دعا کرنے والا اور دعا میں خشوع وزاری کرنے والا ہے۔

---

(۱) الکامل ابن عدی: ۳۸۹/۲۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ رات میں جب میں باہر نکلا تو (کیا دیکھتا ہوں کہ اس شخص کا انتقال ہو چکا ہے اور) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت چراغ کی روشنی میں اس شخص کو دفن کررہے ہیں۔(۱)

سنگِ اسود نفع ونقصان کا مالک کیسے!

خلیفہ دوئم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۲۴ھ) خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جب حجر اَسود کے سامنے ہوئے اور چومنے کے لیے آگے بڑھے تو سنگ اَسود سے مخاطب ہو کر فرمایا :

أني لأعلم أنک حجر لا تضر و لا تنفع و لولا أني رأيت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقبلک ما قبلتک . (۲)

یعنی اے حجر اسود! عمر جانتا ہے کہ تو محض ایک پتھر ہے اور تو میرے سود وزیاں کا مالک نہیں؛ اس لیے یہ نہ سمجھنا کہ عمر کسی نفع کی لالچ میں یا کسی نقصان کے ڈر سے تجھ کو چوم رہا ہے۔ خدا کی قسم! پتھر جان کر اس لیے بوسے دے رہا ہوں کہ محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے لب تجھ سے لگ گئے ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا!۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۲۲۶/۴...... درمنثور: ۱۷۹/۵...... تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۳۸/۷۔

(۲) صحیح بخاری: ۱۵/۶ حدیث: ۱۴۹۴...... سنن ابن ماجہ: ۱۲/۹ حدیث: ۲۹۳۴...... مسند احمد: ۲۶۷/۱ حدیث: ۲۶۳...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳۲/۴...... اخبار مکہ فاکہی: ۶۰/۱ حدیث: ۵۷...... شعب الایمان بیہقی: ۶۸/۹ حدیث: ۳۸۷۸...... مستخرج ابی عوانہ: ۲۴۳/۷ حدیث: ۲۷۸۹...... مسند ابویعلی موصلی: ۲۰۵/۱ حدیث: ۲۰۲...... مسند حمیدی: ۸/۱ حدیث: ۱۰...... کنز العمال: ۱۷۴/۵ حدیث: ۱۲۵۱۰...... نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ: ۱۱۸/۵۔

پھر آپ رونے لگے اور اتنا روئے کہ آپ کی آواز بلند ہوگئی۔ جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو وہاں کھڑا دیکھ کر فرمایا: اے ابوالحسن! یہ وہ جگہ ہے جہاں اشکوں کے سیلاب بہتے ہیں اور دعائیں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوتی ہیں۔

حضرت مولا علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلے جملے پر ریمارک کرتے ہوئے فرمایا :

یا أمیر المؤمنین! بل هو یضر و ینفع .

یعنی اے امیر المومنین! حجرِ اسود وہ پتھر ہے جس کے اندر لوگوں کو نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت اللہ نے رکھی ہے۔

پوچھا: وہ کیسے؟۔حضرت علی نے فرمایا کہ میں یہ بات قرآن کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔حضرت عمر نے پوچھا کہ کتاب اللہ سے اس کا ثبوت کس طرح ہے؟۔

فرمایا: ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَ لَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی ۚ (سورۂ اعراف:۷/۱۷۲)

اور یاد کیجیے جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اُٹھے: کیوں نہیں! (تو ہی ہمارا رب ہے)۔

اس طرح جب عالم اَرواح میں بنی آدم نے اللہ کے رب ہونے اور اپنے بندے ہونے کا اِقرار کرلیا تو ان کے اس عہد و پیمان کو تحریری شکل میں محفوظ کر دیا گیا، اور اس پتھر کے پاس (انسانوں کی طرح) دو آنکھیں اور ایک زبان تھی، اللہ نے پتھر سے فرمایا: اپنے منہ کھول؛ چنانچہ اس نے منہ کھول کر وہ نوشتہ میثاق نگل لیا اور عرض کیا: اے اللہ! جو بھی (دنیا میں) اپنے اس عہد کو پورا کرے گا میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا۔

حضرت علی فرماتے ہیں: میں گواہی دے کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے ان کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے :

يـؤتى يوم القيامة بالحجر الأسود و له ذلق يشهد لمن يستلمه بالتوحيد .

یعنی قیامت کے دن سنگ اسود کو لایا جائے گا جس کے پاس فصیح و بلیغ زبان ہوگی اور ہر اس شخص کے بارے میں گواہی دے گا جس نے اسے اِقرارِ توحید کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا۔ (تو یہ زمین پر اللہ کا رازدان ہے)

تو اے امیر المومنین! حجر اسود کے نفع ونقصان کا یہی مطلب ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

أعوذ بالله أن أعيش في قوم لست فيهم يا أبا الحسن .

یعنی میں ایسے لوگوں میں زندہ رہنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جن میں ابوالحسن (حضرت علی جیسے دیدہ ور موجود) نہ ہوں۔

یہاں تک مستدرک وغیرہ کی روایت تھی۔ اس کے بعد شیخ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاءُ علوم الدین میں اتنا اِضافہ فرمایا ہے :

لہٰذا اِستلام کے وقت جب کوئی یہ دعا پڑھتا ہے :

اللّٰهم إيماناً بک و تصديقا بکتابک و وفاء بعهدک. (۱)

تو اس سے وہی عہد (اور وہی واقعہ) مراد ہوتا ہے۔

(۱) مستدرک حاکم: ۲۲۷/۴ حدیث: ۱۶۳۵...... کنز العمال: ۱۷۷/۵ حدیث: ۱۲۵۲۲......نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۱۱۷/۵...... موسوعۃ اطراف الحدیث: ۱۲۳۹۴۴/۱......الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک ابن شاہین: ۳۷۲/۱ حدیث: ۳۳۵......احیاءعلوم الدین: ۲۵۲/۱......الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۸۲۔

خالق سے حساب کتاب!

روایتوں میں آتا ہے کہ سرکارِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانۂ کعبہ کا طواف فرمارہے تھے؛ اچانک گوشِ نبوت سے یہ آواز ٹکرائی کہ اے کریم!۔

پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک اَعرابی (بدو) تھا، آپ نے بھی اس کی دلجوئی کے لیے فرمایا: اے کریم!۔

یہ سن کر اعرابی میزابِ رحمت کی طرف بڑھا اور پھر بولا: اے کریم!۔ تاجدارِ کائنات علیہ السلام نے اس کے پیچھے پھر فرمایا: اے کریم!۔

اب وہ اَعرابی پورے طور پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوکر عرض کرنے لگا: اے نمکیں حسن والے! اور دیدہ زیب قد وقامت کے مالک! کیا میرا اس لیے مذاق اُڑایا جارہا ہے کہ میں ایک اَعرابی (اور دیہاتی معلوم ہوتا) ہوں۔

اللہ کی عزت کی قسم! اگر آپ کا چہرہ اتنا حسین وجمیل نہ ہوتا اور آپ کا قد وقامت اِتنا موزوں وزیبا نہ ہوتا تو آپ کی اِس حرکت کی شکایت میں اپنے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر ضرور کرتا!۔

یہ سن کر تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹوں پر تبسم کی لکیریں بکھر گئیں، اور آپ نے فرمایا: اے میرے برادرِ عربی! کیا تو اپنے نبی کو کچھ پہچانتا بھی ہے!۔

کہنے لگا: نہیں، (اُس ماہِ عرب کی زیارت سے میری آنکھیں ہنوز محروم ہیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو آخر تم کس طرح کا ایمان ان کے بارے میں رکھتے ہو؟۔

عرض کی: اگر چہ میں نے انھیں ابھی دیکھا نہیں ؛ مگراُن کی نبوت پر میرا کامل ایمان ہے۔ اورگر چہ ابھی شرفِ ملاقات نصیب نہیں ہوا؛ مگران کی رسالت کی تصدیق سے میرا دل روشن ومنور ہے۔

یہ سن کرسید وسرورعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے اعرابی! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جس نبی کی نبوت ورسالت پرتوایمان لے آیا ہے وہ میں ہی ہوں، اور یہ نبی نہ صرف دنیا میں تیرامعاون ہے بلکہ آخرت میں بھی تجھے اس کی شفاعت سے حصہ ملے گا۔

اتنا سننا تھا کہ اعرابی وجد میں آ کرتاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست و پا چومنے لگا۔آپ نے فرمایا: اے برادرِ عربی! اِس کی کوئی ضرورت نہیں، یہ تو عجمیوں کا طریقہ ہے، کہ وہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ایسا کیا کرتے ہیں۔(تیرے دل میں جومحبت وشیفتگی ہے وہ کافی ہے)۔

یادرکھنا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے گھمنڈ اور جبر کرنے والا بنا کرنہیں بھیجا، بلکہ میں حق کے ساتھ (جنت کی) خوش خبری دینے والا، اور (دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

استنے میں جبرئیل امین علیہ السلام بارگاہِ صادق وامین میں حاضر ہوئے، اورعرض کیا: یارسول اللہ! اللہ نے آپ کو سلام واکرام بھیجا ہے، اورفرمایا ہے کہ آپ اس اعرابی سے فرمادیجیے کہ اے اعرابی! ہمارے حلم وکرم اورعفو ودرگذر کا سن کرتم کسی غلط فہمی میں نہ پڑ جانا۔ ہروقت ذہن نشیں رکھنا کہ کل (بروزِ قیامت) ہم ہر چھوٹی بڑی اوراچھی بری ساری باتوں کا حساب لیں گے۔

یہ سن کراعرابی نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا میرا رب مجھ سے محاسبہ بھی فرمائے گا؟،

آپ نے فرمایا: ہاں!، اگر وہ چاہے تو تیرا محاسبہ بھی کرے گا۔

اعرابی تو اعرابی تھا، یہ سن کر کہنے لگا: یارسول اللہ! قسم بخدا! اگر وہ میرا حساب لے گا تو میں بھی ضرور اس کا حساب لوں گا۔

سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے برادرِ عربی! تو خدائے پاک سے بھلا کس بات پر اور کیوں محاسبہ کرے گا؟۔

کہنے لگا: اگر وہ میرے گناہوں پر مجھ سے حساب لے گا، تو میں اس کی مغفرت پر اس سے حساب لوں گا۔ اگر وہ مجھ سے میری خطاؤں پر پوچھ تاچھ کرے گا تو میں اس کے عفوودرگذر کی بابت اس سے پوچھ تاچھ کروں گا۔ اگر وہ مجھ سے میری کنجوسی کی بابت پوچھے گا تو میں اس سے اس کے جودوکرم کی بابت پوچھوں گا۔

یہ سن کر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمانِ نبوت بھیگ گئیں، اور آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک تربتر ہوگئی۔

جبرئیل امین دوبارہ نازل ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! بارگاہِ الٰہی سے پھر سلام آیا ہے، اور اس پروردگار نے فرمایا ہے کہ اے محمد! اس قدر نہ روئیں کہ آپ کے آنسوؤں نے عرش کے پائے ہلا کر رکھ دیے ہیں، اور آپ کی گریہ وزاری سن کر حاملین عرش اپنی تسبیح بھول گئے ہیں۔

اور اپنے برادرِ اعرابی سے فرمادیجیے کہ چلو بات یہیں پر ختم کرتے ہیں کہ ہم تمہارا حساب نہیں لیں گے اور تم ہمارا حساب نہ لینا۔ اور بے شک اس کے مقدر میں جنت میں آپ کی رفاقت لکھ دی گئی ہے۔(۱)

(۱) یہ واقعہ ہمارے پاس ایک عربی دوست نے نیٹ پر بھیجا تھا، اچھا لگا تو درایت کی کسوٹی پر پرکھے بغیر بس ترغیب وترہیب کی خاطر ترجمہ کرکے نذرِ قارئین کردیا۔ اَمر واقعہ کیا ہے، اللہ ورسول ہی بہتر جانتے ہیں۔- چریاکوٹی-

دورانِ طواف حضرتِ عیسیٰ سے ملاقات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں طواف کرنے کی سعادت حاصل کررہا تھا کہ اچانک آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مقام پر کھڑے ہوکر تبسم فرمانے لگے۔

(طواف ختم کرنے کے بعد) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج خلافِ معمول آپ ایک مقام پر ٹھہر کر مسکرا کیوں رہے تھے؟۔ فرمایا: دراصل حضرتِ عیسیٰ بن مریم سے ملاقات ہوگئی تھی جو دو فرشتوں کے ساتھ طواف کررہے تھے۔ انھوں نے مجھے سلام کیا تو میں ان کے سلام کا جواب دے رہا تھا۔(۱)

الٰہی! اَہل سعادت میں کردے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے آتا ہے کہ آپ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے، اور روتے ہوئے خدا کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوتے :

اللّٰھم ان کنت کتبتنی فی اھل السعادۃ فاثبتنی فیھا، و ان کنت کتبت علی الشقاوۃ فامحنی و أثبتنی فی اھل السعادۃ و المغفرۃ فانک تمحو ما تشاء و تثبت و عندک أم الکتاب . (۲)

یعنی اے پروردگار! اگر تو نے مجھے سعادت مندوں میں لکھ دیا ہے تو مجھے (ہمیشہ) سعادت مند ہی رکھ؛ لیکن اگر تو نے مجھے محروموں اور نامرادوں میں لکھ

(۱) اخبار مکہ فاکہی: ۱/۳۰۸ حدیث: ۲۸۲...... اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ: ۳/۵۵۔

(۲) تفسیر طبری: ۱۶/۴۸۲...... تفسیر بغوی: ۴/۳۲۴...... روح المعانی: ۱۳/۱۷۰...... تفسیر مظہری: ۵/۲۴۶...... الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۴/۹۹ حدیث: ۱۵۵۰...... کنز العمال: ۲/۸۱۷ حدیث: ۵۰۴۵۔

رکھا ہو تو اُن کی فہرست سے مجھے نکال کر اہل سعادت و مغفرت میں کر دے؛
کیوں کہ تو جس (لکھے ہوئے) کو چاہے مٹا دے اور (جسے چاہے) ثبت فرما دے،
اور تیرے ہی پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔

حکم کا اِحترام یوں ہونا چاہیے

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ کسی برص زدہ عورت کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اللہ کی بندی! تو طواف کرنے کی بجائے گھر ہی بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی تو کتنا اَچھا تھا کہ لوگ کم از کم لوگ تجھ سے اِیذا تو نہیں پاتے؛ چنانچہ اس نے طواف کے لیے آنا بند کر دیا اور اپنا گھر لازم پکڑ لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پردہ فرما جانے کے بعد لوگوں نے اس سے جا کر کہا کہ جس نے تمھیں طواف کرنے سے روک دیا تھا وہ اللہ کو پیارا ہو چکا ہے؛ لہٰذا اب گھر کی چہار دیواری سے نکل اور جی بھر کر خانۂ کعبہ کا طواف کر۔

اس موقع پر اس نے اتنا پیارا جواب دیا جو آبِ زرّیں سے لکھنے کے قابل ہے کہ اے لوگو! خدا کی عزت کی قسم! جس طرح زندگی میں میں نے ان کے حکم کا پاس ولحاظ رکھا، تو اب پسِ انتقال میں ان کے حکم سے سرتابی کیسے کر سکتی ہوں!۔(۱)

حق خدمت نہ اَدا ہوا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران دیکھا کہ ایک عورت اپنے والد کو اپنی پشت پر لے کر طوفِ حرم کر رہی ہے۔ اور

(۱) اخبار مکہ فاکہی: ۲/۲۳۹ حدیث: ۶۶۱ ...... جامع الاصول من احادیث الرسول: ۳/۱۵۰۱ ...... اعتلال القلوب خرائطی: ۱/۴۲۳ حدیث: ۳۹۶ ...... البیان والتحصیل: ۹/۴۱۰ ...... فقہ السنۃ: ۷۰۶ ...... الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۱/۱۴۴ ...... حسن الاسوۃ بما ثبت من اللہ رسولہ فی النسوۃ: ۳۰۱۔

یہی نہیں ملک یمن سے بھی انھیں پیٹھ ہی پر اُٹھا کر لائی تھی۔ یہ دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میں نے اس سے از راہِ شفقت کہا: اللہ تجھے تیری اس خدمت کا بہتر صلہ عطا فرمائے، یقیناً تو نے والد کی خدمت کا حق اَدا کر دیا۔

یہ سن کر وہ کہنے لگی: آپ پورا حق اَدا کرنے کی بات کر رہے ہیں میں تو سمجھتی ہوں کہ میں آدھا حق بھی اَدا نہیں کرسکی ہوں؛ کیوں کہ وہ پوری زندگی مجھے لے کر ڈھوتے رہے اور میری لمبی حیات کے خواہش مندر ہے؛ لیکن میں ڈھوتو رہی ہوں لیکن دل کی پوچھیں تو خواہش یہ ہے کہ یہ جلد ہی وفات کر جائیں (تاکہ اس مصیبت سے چھٹکارا ملے)۔(۱)

داستان ایک متکبر کی

اس کا نام جبلہ بن ایہم تھا۔ وہ غسان کا بادشاہ تھا۔ اس کے دل میں ایمان کی شمع جگمگا اُٹھی۔ اس نے اسلام کے بارے میں سنا، اس پر غور وفکر کیا، پھر اسلام قبول کرلیا۔

یہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کی بات ہے۔ مسلمانوں کو اس کے اسلام لانے کی خبر ملی تو بہت خوش ہوئے۔ جبلہ نے سیدنا عمر بن خطاب کو خط لکھا کہ وہ مدینہ منورہ آنے کی اِجازت چاہتا ہے۔ اسے اجازت دے دی گئی کہ تم مدینہ آ سکتے ہو، اس شرط کے ساتھ کہ :

لک ما لنا وعلیک ما علینا .

یعنی تمہارے لیے وہی کچھ ہے جو ہمارے لیے ہے اور تم پر وہی کچھ واجب ہے جو ہم پر واجب ہے۔

جبلہ غسان سے روانہ ہوا، اس کے جلو میں پانچ سو گھڑ سوار تھے۔ وہ مدینہ کے قریب پہنچا تو اس نے شاہی لباس پہنا جس کے دامن پر سونے کی دھاریاں تھیں، پھر اس نے

(۱) تفسیر بحر محیط: ۱/۳۶۹۔

ہیروں اور جواہرات سے مرصع تاج سر پر رکھا۔ اس کے گھڑ سواروں نے بھی بہترین لباس پہنے۔ جب وہ مدینہ میں داخل ہوا تو اہل مدینہ یہ خوبصورت منظر دیکھنے کے لیے باہر نکل آئے، ان میں عورتیں اور بچے سبھی شامل تھے۔

جب وہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کی عزت اَفزائی کی، اس کا پر تپاک استقبال کیا، اپنی مجلس میں جگہ دی اور اپنے پاس ٹھہرایا۔

اسی دوران حج کے دن آ گئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے، جبلہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ خانہ کعبہ دیکھتے ہی جبلہ دیوانہ وار طواف کرنے لگا۔ بنوفزارہ کا ایک مسکین شخص بھی خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا، اتفاق سے اس کا پاؤں شاہِ غسان جبلہ کی چادر پر آ گیا۔ جبلہ کو بڑا غصہ آیا، اس نے اسے ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

فزاری کو بھی سخت غصہ آیا؛ مگر وہ کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے کہ وہ حرم میں تھا؛ مگر اس نے فوراً اپنا مقدمہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں جا کر پیش کر دیا۔

فاروق اعظم نے جبلہ کو بلوایا اور جواب طلبی کی کہ تم نے دورانِ طواف اپنے مسلمان بھائی کو تھپڑ کیوں مارا؟ تم نے تو تھپڑ رسید کر کے اس کی ناک ہی توڑ ڈالی۔ آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟۔ جبلہ نے بڑے غرور سے کہا کہ اس نے میری چادر کو اپنے پاؤں سے مسل دیا تھا، اس کی یہ مجال!۔ اگر مجھے اس مقدس گھر کی حرمت و عزت کی پروا نہ ہوتی تو میں اس کی گردن ہی اُڑا دیتا!۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جبلہ! تم نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہے کہ واقعی تم نے اسے تھپڑ مارا ہے، اب تمہاری نجات کے لیے ایک ہی حل ہے کہ کسی طریقے سے اسے راضی کرو؛ ورنہ.......

جبلہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس سے بھی بدلہ لیا جا سکتا ہے!، اس نے فوراً پوچھا: ورنہ کیا ہوگا؟۔

اِرشاد ہوا کہ اس فزاری سے کہا جائے گا کہ وہ آگے بڑھے اور تمہارے منہ پر ویسا ہی تھپڑ مار کر اپنا بدلہ لے لے!۔

جبلہ کہنے لگا: اچھا! تو کیا وہ مجھ سے بدلہ لے گا؟۔ میں ایک بادشاہ ہوں اور وہ ایک ادنیٰ سا بے حیثیت آدمی!۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: اسلام نے سب کو برابر کے حقوق دیے ہیں۔ تم اور فزاری دونوں برابر ہو۔ اسلام کی نظر میں صرف وہی شخص افضل واعلیٰ ہے جو تقویٰ کے لحاظ سے بہتر ہے۔

جبلہ کو اس قسم کے مساوی سلوک کا سن کر سانپ سونگھ گیا، اور وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ کہنے لگا: اس صورت میں میں دوبارہ عیسائی بن جاتا ہوں۔

ارشاد ہوا: جو شخص اپنے دین یعنی اسلام سے پھر جائے، اس کی رو سے اس کی سزا موت ہے۔ اگر تم نے عیسائیت اختیار کی تو میں تمہیں قتل کردوں گا!۔

جبلہ کہنے لگا: امیر المومنین! اس صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے مجھے کل تک کی مہلت عطا فرمائیں۔ فاروق اعظم نے مہلت دے دی۔

رات کا کچھ حصہ گزرا تو جبلہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ معظّمہ سے نکل بھاگا۔ وہ قسطنطنیہ پہنچا جہاں اس نے دوبارہ عیسائیت قبول کرلی۔

زمانہ بیت گیا، اس کی جوانی کا رنگ اُڑ گیا، نقوش ماند پڑ گئے، شان وشوکت دھندلا گئی، اسے اسلام کے ایام یاد آ گئے، نماز اور روزہ کی لذت بیدار ہونے لگی، اسے اسلام چھوڑنے پر ندامت ہوئی، زیادہ ندامت اس بات پر ہوئی کہ میں اسلام میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ مشرک ہوگیا۔ اس احساس کے باوجود وہ آخری عمر تک عیسائیت پر قائم رہا۔ اس نے آخری عمر میں کچھ اشعار کہے تھے جن کا مفہوم کچھ یوں تھا :

شریف خاندان کے ایک چشم و چراغ نے ایک تھپڑ کے بدلے تھپڑ کھانے میں سبکی محسوس کی جس کی وجہ سے اِسلام سے برگشتہ ہوکر عیسائی بن گیا؛ حالاں کہ

تھوڑا سا صبر کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا!۔

کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ کاش! میں عمر کی بات مان لیتا۔
کاش! شام میں میری معیشت کا اَدنیٰ سا سامان بھی ہوتا تو میں اپنی قوم کے اَفراد
کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا۔ اب تو میری سماعت بھی ختم ہورہی ہے اور بصارت بھی
جواب دینے والی ہے!۔

مگر اس اِحساس کے باوجود اس نے توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول نہیں کیا۔ اور اسے شرک وکفر ہی کی حالت میں موت آئی۔(۱)

آنکھیں رو رو کے سُجانے والے

حضرت ابن سماک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۳۲ھ) کے طواف کی بابت سنا کہ آپ شروع شب سے اخیر شب تک غلافِ کعبہ پکڑ کر صرف ایک ہی مناجات کرتے :

إليک أنضيت المطي وإليک تجشمت قطع المفاوز حتى أنخت بفنائک رجاء کرامتک و جزيل ثوابک .

یعنی (اے بارِالٰہا!) میں نے تیری طرف اپنی سواری ہنکا دی، اور کوہ و دمن کی پر پیچ راہیں قطع کر کے تیری بخشش و کرامت کی امید لے کر تیرے گھر کے صحن میں آپہنچا۔

اِتنا کہہ کر آپ روتے اور آہ وکراہ اور گریہ و بکا کا یہ سلسلہ سپیدۂ سحر طلوع ہونے تک جاری رہتا۔(۲)

---

(۱) الاستقصاء لاخبار دول المغرب الاقصیٰ، احمد بن خالد الناصری: ۱/۸۳۔

(۲) الرقۃ والبکاء: ۱/۲۹۲ حدیث: ۲۷۵۔

خانۂ کعبہ اور سنگ اَسود

حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم (م۴۰ھ) سے مروی کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصروفِ طواف تھا، میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ اس گھر (خانۂ کعبہ کی عظمتِ شان) سے مجھے مطلع فرمائیں۔ جواب ملا: اے علی! اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے گناہوں کو مٹانے کے لیے اس گھر کو دنیا کے اندر تعمیر فرمایا ہے۔

پھر میں نے پوچھا: یارسول اللہ! اس حجر اسود کی بابت کچھ ارشاد فرمائیں؟۔ جواب ملا: وہ ایک بہشتی پتھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اِس دنیا میں اُتارا ہے، نزول کے وقت اِس سے آفتاب کی شعاؤں کی مانند چمک اور کرنیں پھوٹتی تھیں، پھر جب کفار ومشرکین کے ہاتھ اس سے مس ہوئے تو اس کا رنگ بدل گیا اور اس کی سیاہی بڑھتی چلی گئی۔(۱)

ولادتِ علی مرتضیٰ

محدث ابن جوزی فرماتے ہیں: حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسدؓ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں کہ وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے۔اسی وقت خانۂ کعبہ کا دروازہ کھلا اور جناب فاطمہ بنت اَسد کعبہ کے اندر داخل ہوگئیں۔ پھر کیا ہوا کہ اسی جگہ خانۂ کعبہ کے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔(۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ بغیر کسی شک وشبہ کے یہ روایت متواتر ہے کہ علی بن ابی طالب-کرم اللہ وجہہ الکریم-شب جمعہ ۱۳/رجب، ۳۰/

---

(۱) الروض الفائق فی الوعظ والرقائق: ۸۴۔

(۲) مستدرک حاکم: ۱۴/۹۰ حدیث: ۶۰۸۴۔

عام الفیل، ۲۳؍سال قبل از ہجرت' مکہ معظّمہ میں خانۂ کعبہ کے اندر فاطمہ بنت اسد کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد کوئی بھی شخص خانۂ کعبہ کے اندر پیدا نہیں ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت و بزرگی اور وجاہت و کرامت کی وجہ سے خداوند عالم نے اس فضیلت کو اُن کے لیے مخصوص فرما دیا۔(۱)

تیرے ٹکڑوں پہ پلے

شہزادۂ رسول جگر گوشہ بتول نورِ دیدۂ علی مرتضیٰ' حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۵۰ھ) نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے اس خیال سے بڑی شرم آتی ہے کہ میں خداوند تعالیٰ سے کس طرح ملاقات کروں گا؟ حالاں کہ میں اس کے گھر (کعبہ) تک کبھی پیدل چل کر نہیں آیا، اس کے بعد بیس مرتبہ آپ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ پیدل چل کر حج کے لیے تشریف لے آئے۔

منقول ہے کہ حرمِ الٰہی میں پہنچ کر آپ نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ''تحیۃ الطّواف'' پڑھ کر اپنے رخسارِ مبارک کو مقام ابراہیم پر رکھ دیا اور زار و قطار روتے رہے۔ اور پھر اس طرح دعا مانگنے لگے :

> اے میرے پروردگار! تیرا حقیر بندہ تیرے دروازے پر ہے، تیرا خادم تیرے دروازے پر ہے۔ تیرا بھکاری تیرے در پر ہے۔ تیرا مسکین تیرے دروازے پر ہے۔

بار بار بکثرت انھیں الفاظ کو دہراتے رہے اور روتے رہے۔ پھر آپ جب حرم شریف سے باہر نکلے تو آپ کا گزر ایسے چند مسکینوں کے پاس سے ہوا جن کے پاس روٹیوں کے ٹکڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور وہ اسے کھائے جا رہے تھے۔

---

(۱) ازالۃ الخفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: ۲/۲۵۱۔

آپ نے ان مسکینوں کو سلام کیا اور جب اُن مسکینوں نے آپ کو کھانے کے لیے بلایا تو آپ فوراً ہی بلا تکلف اُن مسکینوں کے دسترخوان پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اگر یہ روٹیوں کے ٹکڑے صدقہ کے نہ ہوتے تو میں ضرور تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتا؛ مگر چوں کہ ہم آلِ رسول ہیں اور ہمارے لیے صدقے کا مال کھانا حرام ہے؛ اس لیے میں ان کو نہیں کھا سکتا، پھر آپ اُن مسکینوں کو اپنے ہمراہ اپنی قیام گاہ پر لائے اور ان سب کو سیر ہو کر کھانا کھلایا، پھر سبھوں کو کچھ درہم عطا فرما کر رخصت کیا۔(۱)

سنگ اَسود کے بوسے سے منع کر دیا

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ) کی آزاد کردہ لونڈی نے ان کے روبرو ذکر کیا کہ اس نے دورانِ طواف دو یا تین مرتبہ سنگ اَسود کو چھوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے فرمایا:

لاَ أجَرَکِ اللّٰہ، لا أجرک اللّٰہ تُدافِعِینَ الرجالَ ألا کبَّرتِ و مررتِ. (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ تجھے ثواب نہ دے! اللہ تجھے ثواب سے محروم رکھے۔ تو مردوں کے ساتھ دھکم پیل کرتی ہے۔ تو نے تکبیر کہہ کر (دور سے) گزرنے پر اکتفا کیوں نہیں کیا؟۔

اندازہ فرمائیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نگاہ میں عورت کا مردوں میں گھسنا کس قدر ناپسندیدہ اور قبیح کام ہے۔ اور یہ گھسنا بھی کہاں تھا؟ روے زمین کی مقدس ترین

(۱) المستطرف فی کل فن مستظرف::۱/۱۱۔

(۲) مسند شافعی: ۱/۱۲۷حدیث: ۵۹۵......معرفۃ السنن والآثار بیہقی: ۸/۱۷۹حدیث: ۳۰۳۷...... اخبار مکہ فاکہی: ۱/۱۱۰حدیث: ۱۰۴......مختصر المزنی: ۱/۴۰۷۔

سرزمین حرم پاک میں !۔اوراس حجر اسود کو چھونے کی غرض سے جس کا چھونا گناہوں کے جھڑنے کا سبب ہے!!۔

آج بھی حجر اسود کو چھونے یا بوسہ دینے کی غرض سے مردوں میں گھسنے والی نادان عورتیں اور دیگر مقامات پر غیر محرم مردوں کے ساتھ اِختلاط کرنے والی خواتین اس واقعہ کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے کر اپنی اِصلاح کرسکتی ہیں۔

اِس کو پھینک دو، اِس کو پھینک دو

ایک مرتبہ دورانِ طواف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت پر صلیب کی شکل والی چادر دیکھی تو انھوں نے اس کو اُتار پھینکنے کا حکم دیا۔امر واقعہ یہ ہے کہ ام عبد الرحمٰن اذینہ روایت نقل کرتی ہیں کہ ہم ام المومنین حضرت عائشہ کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کررہی تھیں۔اس دوران انھوں نے ایک عورت پر صلیب والی چادر دیکھی تو اس سے فرمایا :

اطرحيه، اطرحيه فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا رأى نحو هذا قضبه . (۱)

یعنی اس کو پھینک دو، اس کو پھینک دو؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چیز دیکھتے تو اس کو چیر دیتے۔

اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ امام احمد نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو صفا و مروہ کے دوران صلیب دار چادر اوڑھے سعی کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو اُتارنے کا حکم دیا۔

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱۴۰/۶ حدیث: ۲۵۱۳۴...... سنن نسائی کبریٰ: ۵۰۴/۵ حدیث: ۹۷۹۲...... مسند جامع: ۴۷۹/۵۰ حدیث: ۱۶۹۰۲۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں برائی کے خاتمہ کے لیے کس قدر شدید تڑپ اور جذبہ موجود تھا۔ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی انھیں برائی کو مٹانے کی کوشش سے غافل نہ کرسکی۔آج بھی اگر اُمت میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے برائیوں کی فضا چھٹتی نظر آئے گی۔

ان دونوں واقعات میں ان سادہ لوح عبادت گزار دادیوں، نانیوں اور ماؤں کے لیے بطورِ خاص نصیحت اور تنبیہ ہے جو کہ گھر کے کونوں میں بیٹھے نوافل، تلاوتِ قرآن اور مختلف اوراد میں مگن دکھائی دیتی ہیں اور ان کے پوتے، پوتیاں، نواسے نواسیاں اور بیٹے بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے پروگراموں کے دیکھنے، سننے اور خود کرنے میں مشغول نظر آتی ہیں۔اللہ ہمارے اندر بھی وہ سچا جذبہ پیدا فرمادے۔

واقعۂ تیر کر طواف کرنے کا

علم تفسیر و قراءت کی شہرۂ آفاق شخصیت اور ممتاز تابعی بزرگ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عبادتِ الٰہی کا جو ولولہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (م۷۳ھ) کے قلب و باطن میں جوشاں تھا وہ میں نے کسی کے اندر نہیں دیکھا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ خانۂ کعبہ کا گرد و پیش (مطاف) سیلاب کی زد میں آجانے کے باعث کوئی طوافِ کعبہ نہ کر پاتا تھا، لوگ عالم تحیر میں سرگرداں پھر رہے ہیں؛ مگر حضرت عبداللہ بن زبیر کے جذبۂ عبادت پر آفرین کہ وہ سیلاب کی لہروں پر تیر تیر کر پورے ہفتے طوافِ خانۂ کعبہ کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔(۱)

(۱) کنز العمال:۱۳/۴۳۹ حدیث:۳۷۲۲۹......جامع الاحادیث، مسند عبداللہ بن الزبیر:۳۵/۳۵۵ حدیث:۳۸۳۲۹......تاریخ دمشق:۲۸/۱۷۸......سیر اعلام النبلاء:۳۷۰۔

اَشکوں کی سوغات

حضرت محمد بن علی ابوالحنفیہ (م۸۱ھ) کے غلام جناب افلح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی معیت میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب وہ مسجد حرام میں پہنچے اور ان کی نگاہیں خانۂ کعبہ سے چار ہوئیں تو بے ساختہ رو پڑے اور اتنا روئے کہ ان کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔ مجھ سے رہا نہ گیا میں نے عرض کیا: حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان! بڑا اچھا ہوتا اگر اپنے رونے کی آواز کچھ پست فرما لیتے، دیکھیں نا کہ آپ کا گریہ و بکا دیکھ کر لوگوں کی نگاہیں آپ پر گڑ گئی ہیں۔

فرمایا: اے افلح تیرا خانہ خراب!۔ تم کون ہوتے ہو مجھے گریہ و بکا سے باز رکھنے والے۔ میں تو صرف اس لیے رو رہا ہوں کہ شاید میرے مالک و مولا کو میری حالت زار پر ترس آجائے اور اس کی رحمتیں مجھ پر مہربان ہو جائیں تو شاید کل اس کے روبرو سرخرو ہو کر حاضر ہونا نصیب ہو۔

کہتے ہیں پھر وہ مطاف میں اُترے اور خانۂ کعبہ کا طواف کرنے میں مشغول ہو گئے۔ طوفِ حرم سے فارغ ہو کر مقام اِبراہیم کے پاس نماز کرنے کے لیے آئے، تو جس وقت انھوں نے سجدے سے اپنے سر کو اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ اُن کی جاے سجدہ ان کے آنسوؤں سے تر بتر تھی۔(۱)

مجھے بڑی شرم آتی ہے

حضرت شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ (م۸۲ھ) حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے۔ آپ پر خوفِ الٰہی کا بڑا غلبہ رہا کرتا۔ جب کبھی حرم کعبہ میں

---

(۱) الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا: ۱/۲۸۱ حدیث: ۲۶۴۔

جاتے تو کہتے: میں خانۂ کعبہ کا طواف کس طرح کروں؟ ہائے! مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ جو قدم گناہ کی طرف چل چکے ہوں، میں ان گنہ گار قدموں کو خدا کے مقدس گھر کے پاس کس طرح رکھوں۔ یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگتے۔

آپ کے سامنے جب کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قہر و جلال کا تذکرہ آجاتا تو آپ مرغِ بسمل کی طرح زمین پر تڑپنے لگتے۔ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ فلاں آدمی بڑا متقی ہے تو آپ نے فرمایا: خاموش رہو! تم نے کسی متقی کو کبھی دیکھا بھی ہے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ متقی کہلانے کا حقدار صرف وہ شخص ہے کہ اگر اس کے سامنے جہنم کا ذکر کر دیا جائے تو خوفِ الٰہی کے سبب اس کی روح پرواز کر جائے۔(۱)

جن کے رتبے ہیں سوا......

حضرت امام علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ (م۹۴ھ) کے حوالے سے تبع تابعین میں سے ایک بڑے ولی اللہ نے ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ حرم کعبہ میں رات کے پچھلے پہر لوگ طوافِ خانۂ کعبہ میں مصروف تھے، کچھ لوگ سجدے کر رہے تھے اور کچھ عبادت میں مگن تھے، اسی اثنا میں ایک شخص چہرے پر کپڑا اوڑھے پچھلی رات کے اندھیرے میں مقام ملتزم پر رو رو کر اللہ کے حضور عرض کر رہا تھا :

اے میرے مولا! کائنات میں تیری زمین پر ریت کے اتنے ذرّے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں......سمندروں میں پانی کے اتنے قطرے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں...... درختوں کے اتنے پتے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں۔

اے میرے پروردگار! کائنات میں اوّل سے آخر تک اس قدر عدد تیری مخلوق کا نہیں جتنا عدد میرے گناہوں کا ہے......زمین و آسمان کی اتنی وسعت نہیں جتنے میرے گناہ ہیں۔

(۱) اولیائے رجال الحدیث: ۱۴۰۔

اے میرے خالق و مالک! اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں؛ لہٰذا مجھے معاف فرما دے۔

تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ ساری رات بیت گئی اور وہ اللہ کا بندہ دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ اس کی چیخ و پکار سن کر ہر شخص کا جگر پھٹا جا رہا تھا۔ فضاؤں میں رونے کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی، اور ہر سو سسکیوں کا سماں تھا۔ اس طرح طلوعِ فجر کا وقت قریب ہو گیا۔

تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ شخص غلافِ کعبہ پکڑ کر اس قدر رویا کہ خود مجھے ترس آ گیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں رونے والے کے پاس گیا۔ اس کا دامن پکڑا اور عرض کیا: مولا! یہ کوئی بڑا گنہ گار، پاپی اور دکھی شخص ہے میں بھی تجھے تیری رحمت کا واسطہ دیتا ہوں اور میں اپنی نیکیاں اس شخص کو دیتا ہوں تو اس گنہ گار کو بخش دے۔

ولی اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص پھر بھی زار و قطار روتا رہا۔ بالآخر میں نے اس کا کپڑا پکڑا اور کہا: اے گنہ گار! اور اپنے گناہوں پر اتنا رونے والے! ذرا کپڑا ہٹا کر چہرہ تو دکھا کہ تو ہے کون؟ میں بھی اللہ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے بخش دے۔

تابعی فرماتے ہیں کہ جب میں نے کپڑا اُٹھایا تو ساری رات زار و قطار رونے والے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کو دیکھنے کے بعد مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور میں رو کر عرض کرنے لگا: مولا! اگر ان پاکیزہ خصلتوں اور نیک سرشتوں کا یہ حال ہے تو ہمارا کیا حال ہو گا!۔

کچھ اسی طرح کی ایک روایت حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں چاندنی رات میں خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی آواز پردۂ سماعت سے ٹکرائی، مجھے تشویش ہوئی کہ ذرا دیکھوں یہ حزن آگیں آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ اتنے میں غلافِ کعبہ پکڑے ہوئے ایک

خوبصورت نوجوان پر میری نظر پڑی جو اپنی مناجات میں کہہ رہا تھا :

نامت العيون و غارت النجوم و أنت الملک الحي القيوم و قد غلقت الملوک أبوابها و أقامت عليها حرسها و حجابها وبابک مفتوح للسائلين فيها أنا سائلک ببابک مذنبا فقيرا مسكينا أسيرا جئت انتظر رحمتک يا أرحم الراحمين .

یعنی آنکھیں سوگئیں، اور سر فلک کہکشائیں دھندلی پڑگئیں۔ اصلاً تو تو زندہ جاوید ہمیشہ رہنے والا بادشاہِ حقیقی ہے، دوسرے عارضی بادشاہوں نے تو اپنے دروازے بھی بند کردیے، پردے بھی گرادیے اوران پر پہرے دار بھی کھڑے کردیے؛ لیکن تیرادروازہ تو منگتوں کے لیے ہمیشہ وا رہتا ہے۔ تو یہ دیکھ تیری رحمت وکرم کی آس پر اپنے گناہوں، بے کسی و بے بسی اور مسکینی کا اِعتراف کرتے ہوئے تیرے درِدولت پر میں حاضر آ گیا ہوں۔ اے مہربانوں کے مہربان!۔

پھر یہ اَشعار گنگنانے لگا :

يا من يجيب دعاء المضطر في الظلم
يا كاشف الضر و البلوى مع القسم

قد نام وفدی حول البيت و انتبهوا
و أنت يا حي يا قيوم لم تنم

أدعوک ربي و مولاي و مستندي
فارحم بكائي بحق البيت و الحرم

أنت الغفور فجد لي منک مغفرة
و اعف عني يا ذا الجود و النعم

إن كان عفوك لا يرجوه ذو جرم

فمن يجود على العاصين بالكرم

یعنی اے وہ ذات جو عالم بے بسی میں پھنسے لوگوں کی دعائیں قبول کرتی ہے۔ اور خیر وخوبی کے ساتھ کلفت وآفت اور پریشانیوں کا خاتمہ کردیتی ہے۔

خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرنے والے لوگ سوئے بھی اور پھر جاگ بھی گئے؛ مگر تو تو حی وقیوم ہے، تجھے نیند تو دور رہی اونگھ بھی نہیں آتی۔

اے میرے ماویٰ ومولا پروردگار! حرم وکعبہ کی عظمت کے صدقے میرے گریہ وبکا پر ترس کھا کر مجھے معاف فرمادے۔

تو بہت بہت بخشش فرمانے والا ہے تو مجھے بھی اپنی بخشش سے حصہ عطا فرما۔ اور اے نعمت وسخاوتِ بے بہا فرمانے والے! میری کوتاہیوں کو معاف فرما۔

اگر اہل جرم وخطا تیرے عفوودرگزر کی اُمید نہ رکھیں پھر گنہ گاروں پر اِحسان واِکرام کی بخشش کون فرمائے گا!۔

پھر اس نے اپنے سر کو آسمان کی طرف اُٹھا کر عرض کرنا شروع کیا :

يا إلٰهي و سيدي مولاي إن اطعتک فلک المنة علي و إن عصيتک فبجهلي فلک الحجة علي اللهم فبإظهار منتک علي و إثبات حجتک لدي ارحمني و اغفرلي ذنوبي و لا تحرمني رؤية جدي قرة عيني و حبيبک و صفيک و نبيک محمد صلى الله عليه و آله وسلم .

یعنی اے میرے مولا پروردگار! اگر میں تیری اطاعت بجالاؤں تو یہ تیرا مجھ پر بڑا اِحسان ہے۔ اور اگر تیری نافرمانی کروں تو یہ میری نادانی کے باعث ہے اور

تیری حجت مجھ پر قائم ہوگئی۔ اے پروردگار! مجھ پر احسان و انعام کا اظہار فرمانے اور مجھ پر تیری حجت قائم ہو جانے کے صدقے مجھے اپنی رحمت ومغفرت سے سرفراز فرما؛ نیز اپنے حبیب اعظم نبی مکرم اور میرے نورِ چشم جد معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رؤیت سے مجھے محروم نہ فرما۔

اس نے پھر اشعار پڑھنے شروع کر دیے :

ألا أيها المأمول في كل شدة

إليک شكوت الضر فارحم شكايتي

ألا يا رجائي أنت كاشف كربتي

فهب لي ذنوبي كلها واقض حاجتي

فزادي قليل ما رآه مبلغي

على الزاد أبكي أم لبعد مسافتي

أتيت بأعمال قباح رديئة

وما في الورى خلق جنى كجنايتي

یعنی اے وہ ذات مصیبتوں کے نزول کے وقت قطعی طور پر جس کی طرف نگاہِ اُمید لگائی جاتی ہے۔ میں نے اپنا دکھڑا تجھی سے سنایا ہے؛ لہٰذا مجھے مراد آشنا فرما۔

مولا! میری امید و رجا کے سارے رشتے تیری ہی ذات کے ساتھ اُستوار ہیں، اور تو نے میری مشکلیں بھی آسان فرمائی ہیں؛ لہٰذا میرے جملہ گناہ غلط فرما اور میری منت وضرورت پوری فرما۔

جہاں تک مجھے پتا ہے میرے پاس سرمایۂ اعمال بہت ہی کم ہے۔ اب میں زادِ راہ کی قلت پر آنسو بہاؤں یا بُعدِ مسافت پر گریہ کناں ہوں۔

اپنے خستہ وناپسندیدہ اعمال لے کر میں تیری جناب میں آ پہنچا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بھری دنیا میں شاید ہی کسی نے مجھ جیسے گناہ کیے ہوں گے۔

ان اشعار کو وہ بار بار دہراتا رہا؛ یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ میں لپک کر اس کی طرف بڑھا، دیکھا تو وہ (کوئی اور نہیں چشم و چراغِ خانوادۂ نبوت) حضرت زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابو طالب تھے۔

میں نے ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا اور ان کے شدتِ گریہ و بکا کا سوچ کر میں بھی زار و قطار رونے لگا۔ جب میرے آنسوؤں کا کوئی قطرہ اُن کے رخسارِ مبارک پر گرا تو وہ ہوش میں آ گئے اور اپنی آنکھیں وا کرتے ہوئے پوچھا: یہ کون ہے جس نے میرے ذکرِ مولا میں خلل اندازی کی ہے۔

میں نے عرض کیا: آقا! میں آپ کا خادم اصمعی ہوں۔ آپ اس قدر گریہ و زاری کیوں فرما رہے ہیں اور رِقت و خوف کا یہ عالم آپ پر کیوں طاری ہے!، آپ تو اہل بیت نبوت و رسالت سے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کی شان میں یہ نہیں فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً o (سورۂ احزاب: ۳۳/۳۳)

بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہل بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

کہتے ہیں کہ جب انھوں نے یہ سنا تو برابر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے اصمعی! کیا باتیں کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنت اس کے لیے پیدا کی ہے جو اس کی طاعت و بندگی کرے خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور جہنم اس کے لیے بنائی ہے جو اس کا نافرمان ہو خواہ وہ کوئی قریشی بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلاَ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَومَئِذٍ وَّ لاَ يَتَسَاءَ لُونَ o

(سورۂ اَمومنون:۲۳/۱۰۱)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن نہ رشتے (باقی) رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔(۱)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی گھوسوی علیہ الرحمہ نے اس واقعہ کے بعد جو چشم کشا تبصرہ رقم فرمایا ہے وہ بڑے خاصے کی چیز ہے، میں اسے یہاں بعینہٖ نقل کر رہا ہوں، وہ فرماتے ہیں :

اس نورانی حکایات کو بار بار پڑھیے اور عبرت حاصل کیجئے۔ ذرا چشم تصور وا کر کے دیکھئے کہ اہل بیتِ نبوت کے چشم و چراغ، جانشین خاندان آل عبا، نور چشم شہید کربلا، زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عبادت وریاضت کا کیا عالم تھا؟، اور ان کے خوف وخشیت ربانی کا رتبہ کتنی بلند منزل پر فائز تھا!۔

بلا شبہہ آپ علم نبوت کے وارث اور رشد وہدایت کے نشان اعظم تھے۔ آپ کی خاندانی عظمت و وجاہت کی بلندی پر آسمانوں کی سربلندیاں بھی قربان! اور آپ کے علمی و عملی کمالات اور علو مراتب پر ثریا کی رفعتیں بھی نثار!!۔

آپ یقیناً سید السادات اور وارثِ کمالات مولائے کائنات ہیں؛ لیکن اس کے باوجود آپ کے عجز وانکسار کا یہ عالم ہے کہ اصمعی جیسا جلیل القدر عالم اور فن لغت وادب کا امام جب قرآن پڑھ کر ان کے مراتب علیا کو یاد دلاتا ہے تو آپ اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ قیامت کے دن نہ کوئی رشتہ ہوگا اور نہ کوئی کسی کا پرسان حال!۔

اللہ اکبر! امام ممدوح کا سینہ خوف وخشیت ربانی کا ایسا نورانی سفینہ تھا کہ جس میں

---

(۱) تفسیر حقی:۹/۶۲، ۶۳ ...... المستطرف فی کل فن مستظرف:۱/۱۳۳ ...... ثمرات الاوراق:۱/۱۷۳۔

تفاخر بالانساب اور خاندانی بڑائی کا کبھی گزر ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ عجز وانکسار کا ایسا بے مثال مرقع اور تواضع وانکساری کے ایسے بے مثال پیکر تھے کہ آپ کو دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

آپ کے اس طرزِ عمل میں آج کل کے سادات کرام کے لیے بہت بڑا درسِ عبرت ہے جو اپنی سیادت اور خاندانی شرافت پر ہر دم فخر کرتے رہتے ہیں؛ بلکہ اسی گھمنڈ وغرور میں علوم واعمالِ صالحہ سے بھی اپنے کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔

کاش! یہ لوگ اپنے دادا حضرت امام زین العابدین کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کرتے! اور پیکر تواضع وانکسار بن کر خضوع وخشوع کے ساتھ اپنے رب کریم کی عبادت کرتے اور اپنے علوم واعمال صالحہ کی بدولت اُمت رسول کے لیے ذریعہ ہدات بنتے؛ مگر افسوس کہ آج کل کے بعض مدعیانِ سیادت کا تو یہ حال ہے کہ نہ علم، نہ عمل بس خانقاہ میں لے دے کر ان کی کل کائنات یہی ہے۔

لبوں پہ ہے 'پدرم بادشاہ بود' کا شور
تفاخر من و تو کے سوا کچھ اور نہیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت وریاضت اور خوفِ الٰہی سے ان کی گریہ وزاری کا ایک منظر تو آپ نے دیکھ لیا اب ذرا یہ بھی سن لیجیے کہ سفر اور حضر میں کبھی آپ کی نمازِ تہجد قضا نہیں ہوئی اور روزانہ بلا ناغہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے، اور اپنی زندگی میں دو مرتبہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خیرات کیا۔

آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ بہت سے غربائے اہل مدینہ کے گھروں میں ایسے پوشیدہ طریقوں سے رقم بھیجا کرتے تھے کہ ان غربا کو خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ یہ رقم کہاں سے آتی ہے؟ مگر جب آپ کا وصال ہوگیا تو غریبوں کو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام زین العابدین کی سخاوت تھی! آپ کے تہجد اور نوافل کی کثرت اور راتوں کو آپ کی آہ و

زاری اور گریہ وبیقراری ہی کی وجہ سے تمام امت نے آپ کو 'زین العابدین' کے لقب سے پکارنا شروع کردیا اور بلاشبہ آپ اس عظیم الشان لقب کے مستحق ہیں۔ سچ ہے(۱)؎

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

طواف کا آغاز کیوں اور کیسے ہوا!

حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد حضرت علی (زین العابدین) کی معیت میں خانۂ کعبہ کا طواف کررہا تھا۔ وہ کچھ آگے تھے اور میں ان کے پیچھے پیچھے چکر لگا رہا تھا۔ اتنے میں ایک کڑیل اور دراز قد نوجوان ان کے سامنے آیا اور اپنے ہاتھ والد گرامی کے کاندھے پر رکھ دیے۔ والد نے اس کی طرف التفات فرمایا تو اس شخص نے کہا: السلام علیک یا بن بنت رسول اللہ۔ اے نواسۂ رسول آپ جگ جگ سلامت رہیں۔ مجھے آپ سے کچھ مسئلے پوچھنے ہیں۔

یہ سن کر والد گرامی خاموش ہوگئے اور اپنا طواف جاری رکھا۔ میں اور وہ نوجوان اُن کی مشایعت میں چلتے رہے۔ جب انھوں نے طواف کے سات چکر پورے کرلیے تو حطیم میں داخل ہوئے اور میزابِ رحمت تلے کھڑے ہوکر دو رکعتیں اَدا کیں، اور ہم بھی ان کے پیچھے کھڑے سنتِ طواف اَدا کررہے تھے۔

نماز سے فراغت کے بعد وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور میری طرف متوجہ ہوکر اِشارہ کیا تو میں بھی اُن کے پہلو میں جا بیٹھا۔ اَب وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اے محمد! وہ سائل کہاں گیا؟، چنانچہ میں نے اپنی آنکھوں سے اُس نوجوان کی طرف اِشارہ کیا تو وہ آیا اور والد کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

---

(۱) روحانی حکایات: ج۲، ص۷۴تا۷۸۔

بابا جان نے اس سے کہا: کس چیز کے بارے میں تم سوال کرنا چاہتے تھے؟۔

عرض کیا: پوچھنا یہ تھا کہ اس گھر کا طواف کب، کیوں، کہاں اور کیسے شروع ہوا؟۔

بابا جان نے اس سے کہا: اس کا جواب سننے سے پہلے کیا تم یہ بتانے کی زحمت کروگے کہ تم کہاں سے تشریف لائے ہو؟۔

اس نے کہا: میں اہل شام سے ہوں۔

پوچھا: رہتے کہاں ہو؟۔ کہا: بیت المقدس کے اندر۔ پوچھا: تو کیا تمہیں دو آسمانی کتابیں (تورات وانجیل) پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے؟۔ کہا: ہاں!۔

اب والد گرامی اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوکر فرمانے لگے: اے میرے شامی بھائی! غور سے سماعت کرنا اور مجھ سے سن کر لوگوں کو سچ بات ہی بتانا (اس میں کسی آمیزش سے کام نہ لینا)۔

اِس خانۂ کعبہ کے طواف کی اِبتدا کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مرتبہ فرشتوں سے کہا تھا :

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الأَرْضِ خَلِیْفَةً o (سورۂ بقرہ:۲/۳۰)

میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

یہ سن کر فرشتوں نے عرض کیا: پروردگار! کیا تو گروہِ ملائکہ کے علاوہ اہل دنیا میں سے کسی کو اپنی نیابت وخلافت کی خلعت پہنائے گا؟؛ حالاں کہ وہ فتنہ وفساد اور خوں ریزیاں بپا کرتے ہیں، باہم حسد کی آگ میں جلتے رہتے ہیں، اور بغض وعناد اور بغاوت وسرکشی کی تاریخ رکھتے ہیں؟۔

پروردگار! اگر تجھے خلیفہ بنانا ہی ہے تو ہم میں سے کسی کا انتخاب فرمالے؛ کیوں کہ ہمیں فتنہ وفساد سے کیا سروکار، ہم خوں ریزیاں کیا جانیں، بغض وعناد ہمیں چھو تک نہیں

گیا، ہماری تو زندگی ہی تیری بندگی سے عبارت ہے، ہم کبھی تیری معصیت نہیں کرتے؛ بلکہ ہم تو سراپا تیرے تابع دار ہیں۔

اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا :

إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ o (سورۂ بقرہ:۲/۳۰)

میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فرماتے ہیں کہ پھر فرشتوں کو اِحساس ہوا کہ انھوں نے مرضی مولا کے خلاف گفتگو کردی ہے، اوران کی باتوں سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ناراض ہے؛ چنانچہ وہ عرش کے قریب سمٹ آئے، اور اللہ کے غضب کا سوچ کر گریہ وزاری کرنے لگے۔ اور تین گھنٹے تک عرش کا طواف کرتے رہے۔

ان کا یہ عمل دیکھ کر رحمتِ الٰہی کو ترس آ گیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُن پر نگاہِ رحمت فرمادی۔ پھر عرش کے نیچے زبرجد و یاقوت سے مزین چار ستونوں والا ایک گھر تخلیق ہوا، جس کا نام 'بیت الصراخ' رکھا گیا۔ اب اللہ رب العزت کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوا کہ طواف کرنا ہی ہے تو عرش کا نہیں اس گھر کا کیا کرو۔

چنانچہ فرشتوں نے عرش کو چھوڑ کر اس گھر کا طواف کرنا شروع کردیا، اور یہ ان کے لیے عرش کے طواف سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ اور اصلاً یہی وہ بیت المعمور ہے جس کا ذکر اللہ جل مجدہ نے فرمایا کہ ہر شب و روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں؛ مگر پھر دوبارہ ان کی باری کبھی نہیں آتی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ اسی انداز کا ایک گھر زمین پر جا کر تعمیر کرو؛ چنانچہ جس طرح فرشتے آسمان پر بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین پر موجود مخلوقاتِ الٰہیہ کو حکم ہوا کہ وہ اس گھر کا آ آ کر طواف کیا کریں۔

طوافِ کعبہ کی یہ تاریخ وتعریف سن کر وہ شخص جھوم اُٹھا۔ اور کہنے لگا: اے نواسہ رسول! آپ نے بالکل سچ فرمایا۔ بات کچھ ایسی ہی ہے۔(۱)

اچھی زندگی کا معیار

حضرت معن بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ (م ۹۵ھ) کی معیت میں خانۂ کعبہ کے طواف کی سعادت حاصل کررہے تھے کہ اچانک ہم نے اپنے آگے ایک موٹے تگڑے آدمی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟۔

فرمایا: نہیں۔ مجھے بتاؤ یہ کون ہے؟۔

کہا گیا کہ یہ شعروشاعری کی دنیا کا مشہور شخص حمید الامجی ہے، جس نے یہ مشہورِ زمانہ شعر کہے ہیں۔

حـمـيـدُ الــذي أمـجُ داره　　أخو الخمر ذوالشيبة الأضلع

علاه المشيب علـى شربها　　و عـاش حميدا و لم ينـزع

یعنی وہ حمید ہی ہے جس کا گھر شراب وکباب سے پُر ہے، وہ بوڑھا شراب نوش ہے جس کے سر کے بال گرچکے ہیں۔

شراب پیتے پیتے اسے بڑھاپے نے آگھیرا۔ اوراس نے بڑی عزت وشان کی زندگی بسر کی؛ لیکن اس بوڑھے کو شراب سے اپنا ہاتھ کھینچ لینا نصیب نہ ہوا۔

یہ سن کر حضرت سعید بن جبیر نے برجستہ فرمایا:

بل عاش شقيا و لم ينـزع . (۲)

---

(۱) اخبار مکہ فاکہی: ۱/۸ حدیث: ۵۔
(۲) اخبار مکہ فاکہی: ۲/۱۸۰......ذم المسکر: ۶۵......معجم ما استعجم: ۱۹۰۔

یعنی اس نے عزت وشان کی زندگی نہیں بلکہ شقاوت وحرمان کی زندگی گزاری
تبھی تو اسے شراب سے ہاتھ کھینچنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی !۔

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حجاج بن یوسف، عمرے کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا۔ وہ اپنے ہمراہ اپنی حفاظت ونگرانی کے لیے بہت سارے سپاہیوں کو لے گیا تھا۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آیا اور دو رکعت نماز اَدا کرنے کے لیے کھڑا ہوا، اس کے دربانوں اور فوجیوں نے ہتھیار، تلواریں، نیزے اور خنجر زمین پر ڈال دیے۔

یہ واقعہ بیان کرنے والے ایک مشہور عالم ربانی ہیں جنھیں دنیا طاؤس بن کیسان یمانی جندی (م۱۰۶ھ) کے نام سے جانتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں شور وغل اور چیخ وپکار کی آواز سنائی دینے لگی۔

میں نے مڑ کر دیکھا تو حجاج اور اس کے محافظین تھے۔ حجاج بن یوسف مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں یمن کا ایک مسکین آدمی آیا اور خانۂ کعبہ کا طواف کرنے لگا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ مقام ابراہیم کے پاس حجاج بن یوسف بیٹھا ہوا ہے۔ طواف کے دوران اس یمنی مسکین کے کپڑے سے ایک نیزہ پھنس گیا اور حجاج کے بدن پر جا گرا۔ حجاج بن یوسف گھبرا اُٹھا اور حکم دیا: اس کو پکڑ لو اور میرے پاس لاؤ۔

سپاہیوں نے یمنی مسکین کو پکڑ کر حجاج بن یوسف کے سامنے پیش کیا۔

حجاج گویا ہوا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟۔

کہا: نہیں۔

حجاج: تم کہاں سے ہو؟۔

کہا: مسلمانوں میں سے ہوں۔

حجاج: میں تمہارے اِسلام کے بارے میں نہیں پوچھ رہا ہوں۔

کہا: پھر کیا پوچھ رہے ہو؟۔

حجاج: میرا مطلب یہ کہ کس ملک سے تمہارا تعلق ہے؟۔

کہا: یمن سے آیا ہوں۔

پوچھا: یمن میں تمہارا والی (حاکم) کون ہے؟۔

کہا: حجاج بن یوسف کا بھائی محمد بن یوسف۔ جو اسی کی طرح ظالم و جابر بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ہے۔

حجاج: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس کا بھائی ہوں؟۔

یمنی مسکین: کیا تو حجاج ہے۔

حجاج: ہاں۔

یمنی مسکین: بئس انت و بئس اخوک.

تم اور تمہارا بھائی دونوں کتنے برے انسان ہو!۔

حجاج: یمن کے اندر تم نے میرے بھائی کو کس حال میں چھوڑا ہے؟۔

کہا: جس وقت میں وہاں سے چلا، اس کا حال یہ تھا کہ وہ کھا کھا کر پیٹ بڑا کیے ہوئے ہے۔ اور موٹاپے کے باعث بھینسے کی طرح ہو گیا ہے۔ خوش لباسی و گھوڑ سواری کا بلا کا شوقین ہے اور لوگوں سے زبردستی خراج وصول کر کے اپنے بچوں کے حوالے کر دیا کرتا ہے۔

حجاج بن یوسف نے کہا: میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا، بلکہ میری مراد اُس کی سیرت و کردار اور اس کے عدل و انصاف سے تھی۔

کہا: وہ کیا عدل کرے گا وہ تو خود ہی ظالم و جابر اور دوسروں کا مال ناجائز طور پر

ہڑپ کرنے والا ہے۔ ایسے لوگ کس سیرت و کردار کے مالک ہوں گے!۔

حجاج کہتا ہے کہ تمھیں پتا ہے کہ اس کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے پھر بھی تمھیں اس بے جگری اور دیدہ دلیری سے بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟۔

کہا: اس کا جو مقام و مرتبہ تمہاری نگاہوں میں ہے‘ اللہ کی نگاہ میں میری عظمت و مرتبت کے برابر نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس وقت میں اس کے گھر مہمان بن کر آیا ہوں۔ میں اس کے آخری نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا سچے دل سے ماننے والا ہوں اور اس کے دین کا قاضی و خادم بھی ہوں۔

یہ سن کر حجاج بن یوسف کے منہ پر تالے لگ گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حجاج سے اِجازت لیے بغیر ہی یہ شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی راہ لیتا بنا۔

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے میں بھی چل پڑا؛ کیوں کہ یہ شخص بلا شبہہ حکیم و بردبار نظر آرہا تھا۔ خانۂ خدا کے قریب آکر اس نے غلافِ کعبہ پکڑ لیا اور دُعا کرنے لگا پھر وہ لوگوں کی بھیڑ میں میری نگاہوں سے اوجھل سے ہوگیا۔ شبِ عرفہ ایک بار پھر اس سے ملاقات ہوگئی، دیکھا کہ وہ اس طرح دعا کررہا ہے :

اللّٰهم إن كنت لم تقبل حجي و تعبي و نصبي فلا تحرمني الأجر على مصيبتي بتركك القبول مني .

یعنی اے پروردگار! اگر میرا حج اور ساری جدو جہد تیری بارگاہ میں مقبول نہیں ہوئی تو کم از کم اس مصیبت کا اَجر عطا فرما جو حج کے ٹھکرا دیے جانے کے باعث مجھے پہنچی ہے؛ (کیوں کہ جس طرح حج کا اَجر ہے اسی طرح مصیبت پر صبر کا بھی اَجر ہے)۔

یہ کہہ کر وہ آگے چلتا بنا۔(۱)

(۱) صفة الصفوة:۲/۲۹۸۔

چاند روئے اور ہم نہ روئیں!

حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ زار وقطار روتا ہوا بیت اللہ شریف کا چکر لگا رہا ہے۔قریب جا کر دیکھا تو وہ (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تلمیذِ رشید) حضرت طاؤس تھے۔

حضرت طاؤس پوچھتے ہیں: کیا تمہیں میرا رونا دیکھ کر تعجب ہو رہا ہے؟۔

میں نے کہا: ہاں۔

فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم! آسمان پر چمکنے والا یہ چاند بھی خشیت الٰہی میں روتا ہے؛ حالاں کہ اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہے؛ (تو ذرا سوچو کہ ہمیں اپنے گناہوں کو یاد کر کے خشیت مولا میں کتنا رونا چاہیے!)۔(۱)

صحابی کی گستاخی کا اَنجام

حضرت محمد بن سیرین (م۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا کہ ایک شخص کو اِس طرح دعا کرتے ہوئے دیکھا :

اللّٰهم اغفرلي، و ما أظن أن تغفرلي .

یعنی اے اللہ! مجھے معاف فرما،لیکن لگتا نہیں کہ تو مجھے معاف کرے گا!۔

میں نے کہا: اللہ کے بندے! غور تو کر تو بیت اللہ میں کیا بات کر رہا ہے! آخر تجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہو گیا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی مایوسی کی بات کر رہا ہے!۔

---

(۱) درمنثور: ۷/۱۲۸......تفسیر ابن ابی حاتم: ۷/۴۳۸۔

کہنے لگا: سنو! جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ بپا ہوا تو میں باغیوں کے کہنے میں آ گیا؛ چنانچہ میں نے یہ نیت کی کہ اگر مجھے حضرت عثمان بن عفان کے چہرے پر طمانچہ مارنے کا موقع مل جائے تو میں ضرور مار دوں گا۔ میں ان کی زندگی میں تو ایسی حرکت نہ کر سکا؛ تاہم جب ان کو شہید کر دیا گیا اور ان کو کفنا کر اندر کمرے میں رکھا گیا تو لوگ آ کر کمرے ہی میں ان کے چہرے کا دیدار کر رہے تھے۔ میں بھی چہرہ دیکھنے کے بہانے کمرے میں گیا۔ اس وقت وہاں کوئی نہ تھا۔ مجھے موقع میسر آ گیا اور میں نے ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ایک تھپڑ مار دیا۔ پھر جب وہاں سے ہٹا تو میرا دایاں ہاتھ بالکل خشک گیا اور سوکھ کر ایسا سیاہ ہو گیا جیسے کوئی جلی ہوئی پرانی لکڑی۔

حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بدبخت کے ہاتھ کو دیکھا تو وہ واقعتاً لکڑی کی طرح بالکل سوکھا ہوا تھا۔(۱)

شاید یہی آنسو باعث بخشش بن جائیں

امام زین العابدین کے شہزادے امام محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ (م۱۱۴ھ) جن کا لقب باقر ہے حج کے لیے تشریف لے گئے۔ مسجد الحرام میں پہنچے، اور خانۂ کعبہ کو دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگے، اور پھر آپ کی آوازِ مبارک بلند ہوتی چلی گئی۔ خدام و مصاحبین کہنے لگے: حضور! لوگوں کی نگاہیں آپ پر جمی ہوئی ہیں، آواز پر قابو کریں اور اس طرح رونا بند کریں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ فرمایا :

(لوگ جو چاہیں وہ کہیں، مجھے لوگوں سے کیا غرض! میں تو ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ) شاید اللہ تعالیٰ روزِ محشر میری طرف نگاہِ رحمت کر لے اور بخش دے۔

اس کے بعد انھوں نے طواف کیا اور نفل اَدا کرنے کے لیے مقام ابراہیم کے پیچھے

---

(۱) شرح اصول اعتقاد اہل السنہ والجماعہ لالکائی: ۴۵۹/۵ حدیث: ۱۹۲۳...... تاریخ دمشق: ۴۴۶/۳۹ ...... البدایہ والنہایہ: ۲۱۳/۷۔

کھڑے ہوگئے، سجدے سے سر اُٹھایا تو دیکھا گیا کہ سجدہ گاہ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی ہے۔ پھر آپ نے اپنے ایک مصاحب سے فرمایا: تجھے پتا ہے کہ دنیا کیا ہے؟، کوئی سواری جس پر کچھ دیر سوار ہولیے۔ یا کوئی کپڑا جسے پہن لیا۔ یا کوئی عورت جسے پالیا۔ یا کوئی لقمہ جسے نگل لیا۔

اہل دنیا میں صاحبانِ تقویٰ سب سے کم سامان رکھنے والے، اور سب سے زیادہ لوگوں کی اِمداد کرنے والے ہیں۔ اگر تم انھیں فراموش کردو تو بھی وہ تمھیں یاد رکھیں، اور اگر تم انھیں یاد کرو تو تمہاری مدد کریں۔ وہ خدا کا حق بہت زیادہ بیان کرنے والے اور خدا کا حکم بہت زیادہ بجالانے والے ہیں۔ لوگو! دنیا کو ایک منزلِ سفر سمجھو کہ شب کو اُترے صبح کو کوچ کیا۔ یا کوئی مال جسے خواب میں دیکھا اور بیداری پر کچھ پاس نہیں۔(۱)

موت، نصیحت کے لیے کافی ہے!

اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک (م ۱۲۵ھ) کو کوفہ کی ایک بڑھیا کی نوجوان کنیز کے بارے میں بتایا گیا جو نہایت حسین وجمیل، ذہین وفطین اور اَدب آشنا ہونے کے ساتھ ساتھ شعروشاعری سے بھی دلچسپی رکھتی تھی۔ اس نے یہ اَوصاف سن کر حکم دیا کہ والی کوفہ کو خط لکھو کہ اس کنیز کو اس کی مالکن سے خرید کر میرے پاس بھیج دے۔

ایک خادم یہ خط لے کر کوفہ روانہ ہوگیا۔ جب والی کو یہ حکم نامہ ملا تو اس نے بڑھیا کے پاس ایک آدمی بھیج کر اس کنیز کو دو لاکھ درہم اور پانچ سو مثقال کھجوروں کی سالانہ پیداوار کے حامل کھجوروں کے باغ کے بدلے خرید لیا اور اسے ہشام بن عبدالملک کی خدمت میں روانہ کردیا۔

ہشام نے اس کے رہنے کے لیے الگ انتظام کیا جہاں زرق برق لباس، قیمتی زیورات اور اعلیٰ بچھونے موجود تھے۔ ایک دن وہ خوشبو سے مہکے ہوئے کمرے میں نہایت خوشگوار موڈ میں اس کے ساتھ باتوں میں مگن تھا کہ اسے چیخوں کی آواز سنائی دی۔

(۱) روض الریاحین: ۱۱۹ بحوالہ بزم اولیاء: ۱۹۹۔

اس نے آواز کی جانب نگاہیں دوڑائیں تو اسے ایک جنازہ نظر آیا جس کے پیچھے عورتیں چلا رہی تھیں اور ایک عورت کہہ رہی تھی: میرے باپ کو کندھوں پر سوار کرکے مردوں کے پاس لے جایا جارہا ہے، عنقریب اسے ویران قبرستان میں تنہا دفن کردیا جائے گا۔

اے ابا جان! کیا آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا ہے جو اپنا جنازہ اُٹھانے والوں سے کہتے ہیں: ذرا جلدی لے چلو...... یا...... آپ کو ان لوگوں میں شامل کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں: مجھے واپس لے چلو! مجھے کہاں لیے جارہے ہو؟۔

اس کی یہ بات سن کر ہشام بن عبدالملک کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ اپنی لذت کو بھول کر کہنے لگا: 'موت' نصیحت کے لیے کافی ہے'۔

اس کنیز نے کہا: اس عورت نے میرا دل چیر کر رکھ دیا ہے۔ ہشام نے کہا: ہاں! کچھ ایسی ہی بات ہے۔ پھر اس نے خادم کو آواز دی اور بالا خانے سے نیچے اُتر گیا جب کہ وہ کنیز وہیں بیٹھی بیٹھی سوگئی۔

اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس سے کہہ رہا ہے: آج تم اپنے حسن سے دوسروں کو آزمائش میں ڈالتی ہو اور اپنی اَداؤں سے دوسروں کو غافل کردیتی ہو۔ اس دن جب صور پھونکا جائے گا، جب قبریں شق ہوں گی اور لوگ اُن سے باہر نکلیں گے اور انھیں اپنی کرنی کا پھل بھگتنا پڑے گا...... تو کیا ہوگا؟۔

وہ کنیز گھبراہٹ کے عالم میں بیدار ہوئی اور پانی پی کر اس نے اپنا حلق تر کیا۔ پھر پانی منگوا کر غسل کیا اور زرق برق لباس اور زیورات کی بجائے اونی کپڑے پہنے، ایک لاٹھی ہاتھ میں تھامی اور ہشام کے دربار میں پہنچ گئی۔ جب ہشام اس کو نہ پہچان سکا تو اس نے کہا: میں آپ کی وہی پسندیدہ کنیز ہوں جسے ایک ناصح کی نصیحت نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ مجھ سے اپنی خواہش پوری کرچکے ہیں؛ لہٰذا اَب مجھے غلامی سے آزاد کردیجیے۔

ہشام نے کہا: میں نے اللہ کی رضا کے لیے تجھے آزاد کیا۔ اب تم کہاں جانے کا اِرادہ رکھتی ہو؟ اس نے جواب دیا: میں کعبۃُ اللہ کی طرف جاؤں گی۔ ہشام نے کہا: بہت خوب! اَب تیری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کنیز شاہی محل سے نکل کر مکہ معظّمہ پہنچی اور وہیں مقیم ہوگئی۔ وہ سوت کات کر گزر بسر کرتی اور جب شام ہوتی تو مطاف میں پہنچ کر دیوانہ وار خانۂ کعبہ کا طواف کرتی۔ اس کے بعد حطیم میں داخل ہوکر عرض کرتی: اے میرے پروردگار! تو ہی میرا سہارا ہے، میری اُمیدوں کو مت توڑنا۔ مجھے مقامِ اَمن میں رکھنا اور اپنی رحمتوں کی برکھا مجھ پر برسانا۔

یہ کنیز اسی طرح شب و روز عبادت و ریاضت میں مصروف رہی حتیٰ کہ اس محنت ومشقت اور دھوپ کی تمازت نے اس کی جلد کی رنگت کو تبدیل کر دیا اور نماز میں طویل قیام کی وجہ سے اس کا بدن کمزور ونحیف ہوگیا۔ زیادہ رونے کے سبب اس کی آنکھیں خراب ہوگئیں اور سوت کاتنے کی وجہ سے اس کی انگلیوں میں زخم ہوگئے؛ بالآخر ایک دن اسی حالت میں اللہ کو پیاری ہوگئی۔(۱)

مجھے اللہ سے شرم آتی ہے!

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کا بھائی خلیفہ ہشام بن عبد الملک بن مروان بیت اللہ شریف کے حج کو آیا۔ طواف کے دوران اس کی نگاہ زاہد ومتقی اور عالم ربانی سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین (م ۱۰۵ھ) پر پڑ گئی جو اپنا جوتا ہاتھ میں اُٹھائے خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ ان کے اوپر ایک کپڑا اور ایک عمامہ تھا جس کی قیمت تیرہ درہم سے زیادہ نہیں تھی۔

خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے پوچھا: کوئی حاجت ہو تو بتائیں۔

(۱) کتاب التوابین: ۱۵۱۔

حضرت سالم بن عبداللہ نے فرمایا :

إني لأستحيى من اللّٰه أن أسأل في بيته غيره .

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آرہی ہے کہ میں اس کے گھر میں ہوتے ہوئے کسی اور کے سامنے دستِ سوال دراز کروں۔

یہ سننا تھا کہ خلیفہ کے چہرے کا رنگ سرخ ہونے لگا، اس نے سالم بن عبداللہ کے جواب میں اپنی سبکی محسوس کی۔ چنانچہ جب حضرت سالم بن عبداللہ حرم شریف سے باہر نکلے تو وہ بھی اُن کے پیچھے ہی حرم سے نکل پڑا اور راستے میں ان کے سامنے آکر کہنے لگا: اب تو آپ بیت اللہ شریف سے باہر نکل چکے ہیں، کوئی حاجت ہو تو فرمائیں (بندہ حاضر ہے)۔

حضرت سالم بن عبداللہ گویا ہوئے :

من حوائج الدنيا، أم من حوائج الآخرة ؟ .

یعنی تمہاری مراد دُنیاوی حاجت سے ہے یا اُخروی حاجت سے؟۔

خلیفہ ہشام نے کہا: اُخروی حاجت کو پورا کرنا تو میرے بس کا روگ نہیں ہے؛ البتہ دنیاوی ضرورت ضرور پوری کرسکتا ہوں۔ فرمائیں۔

اس کا جواب سن کر حضرت سالم بن عبداللہ کہنے لگے :

ما سألت الدنيا من يملكها، فكيف أسألها من لا يملكها .

یعنی میں نے دنیا تو اس سے بھی نہیں مانگی جس کی یہ ملکیت ہے، پھر بھلا میں اس شخص سے دنیا کیوں کر طلب کرسکتا ہوں جس کا وہ خود بھی مالک نہیں۔

یہ کہہ کر آپ اپنے گھر کی طرف چل دیے اور ہشام بن عبدالملک اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔(۱)

(۱) مختصر تاریخ دمشق: ۱/۴۲۶......تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/۳۰۴......البدایۃ والنہایۃ: ۹/۲۶۲۔

اور یہ ہیں فاطمۃ الزہرا کے لعل

حکایتوں میں آتا ہے کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان ایک سال حج کو آیا، خانۂ کعبہ کا طواف کررہا تھا، جب حجر اسود پر بوسہ دینے کا اِرادہ کیا تو خلقت کے ہجوم کی وجہ سے اسے راستہ نہ ملا، وہ منبر پر چڑھا اور خطبہ پڑھنا شروع کیا،اسی وقت حضرت امام زین العابدین تشریف لائے ، چہرہ ماہِ کامل کی طرح روشن، رخسار دمکتے ہوئے اور لباس خوشبو سے معطر۔ انھوں نے طواف کیا، جب حجر اسود کے پاس آئے تو لوگ تعظیماً ایک طرف ہٹ گئے اور آپ نے بڑھ کر پتھر کو بوسہ دیا۔

ہشام بن عبدالملک سے کسی نے کہا: حیرت ہے کہ آپ امیر المومنین ہیں اور آپ کو حجر اسود تک بازیابی نہ ہوئی؛ لیکن جب وہ جوانِ رعنا آیا تو سارا ہجوم چھٹ گیا اور سنگ اَسود اس کے لیے خالی کردیا گیا۔

ہشام نے کہا: میں اس جوان کو نہیں جانتا کہ یہ ہے کون !۔ مطلب یہ تھا کہ کہیں ہشام کے اپنے لوگ امام زین العابدین کو پہچان کر ان کی طرفداری اختیار کرکے انھیں امیر بنانے کی کوشش نہ کریں۔

مشہورِ زمانہ شاعر فرزدق وہاں موجود تھا، اس نے ہشام کی باتیں سن کر کہا: میں جانتا ہوں کہ یہ جوانِ رعنا کون ہے۔ لوگوں نے درخواست کی پھر بیان کرو؟، دیکھو اس کے چہرے سے کیا جلال وہیبت ٹپک رہی ہے۔

فرزدق نے کہا سو میں اس کے صفات وخصائل اور اس کا نام ونسب بیان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اہل بیت اطہار کی تعریف وتوصیف میں اور خصوصاً شانِ زین العابدین میں بہت سے اَشعار پڑھے، چند یہ ہیں :

هذا الذی تعرف البطحا وطأته ☆ والبيت يعرفه والحل والحرم

هذا ابن خير عباد الله كلهم ☆ هذا التقى النقى الطاهر العَلَم

هذا ابن فاطمة إن كنت جاهله ☆ بجـده أنبيـاء الله قد خُتِم

یعنی یہ وہ شخص ہے جس کے نقش قدم اہل مکہ پہچانتے ہیں، جس کو خانۂ کعبہ اور حرم جانتے ہیں۔

یہ خلق خدا میں سب سے اچھے آدمی کا بیٹا ہے۔ یہ مشہور متقی و پرہیزگار اور عابدان شب زندہ دار کا سرخیل ہے۔

یہ فاطمۃ الزہرا کا لال ہے؛ مگر مقام حیرت ہے کہ تو جہالت و دلی کدورت کے باعث اس کو نہیں پہچانتا، یہ وہی عظیم انسان ہے جس کے نانا پر سلسلہ نبوت ورسالت جا کر ختم ہوگیا۔

یہ سن کر ہشام بن عبدالملک بہت برافروختہ ہوا اور اس نے فرزدق کو مدینہ اور مکہ کے درمیان عسفان کے مقام پر قید کروا دیا۔ جب یہ خبر حضرت زین العابدین کو پہنچی تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بھجوائے اور کہلا بھیجا: ہم مجبور ہیں اس سے زیادہ ہمارے پاس نہیں۔

فرزدق نے وہ رقم یہ کہہ کر واپس کردی کہ اے فرزند پیغمبر! میں تمام عمر مال و زر کے لیے بادشاہوں اور سلاطین واُمرا کے قصائد لکھتا رہا ہوں اور ان کی تعریف میں غلو کر کے ارتکاب معاصی کرتا رہا ہوں۔ اور یہ اَشعار میں نے اہل بیت کی تعریف وتوصیف میں ازرہِ کفارہ کہے ہیں۔

جب یہ پیغام امام زین العابدین کو ملا تو انھوں نے یہ کہہ کر رقم واپس بھجوادی کہ اے فرزدق! اگر تمہیں واقعی ہمارے ساتھ اِرادت ہے تو یہ خیال نہ کر کہ ہم جو دے چکے اسے واپس لے لیں (بلکہ تمہیں یہ رقم لینا ہی ہوگا کیوں کہ) ہم اس کی ملکیت سے دست بردار ہو چکے ہیں۔(۱)

---

(۱) معجم کبیر طبرانی:۳/۱۶۹ رقم:۲۷۳۳...... حلیۃ الاولیاء:۳/۱۳۹...... الصواعق المحرقۃ:۲/۵۸۴...... اخبار مکہ فاکہی:۳/۲۷۴ رقم:۱۳۰۳...... کشف المحجوب:۱۴۷ تا ۱۴۸...... روض الریاحین:۵۴، ۵۵۔

ماں! تیری عظمت کے قربان

حضرت مالک بن دینار (م ۱۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خانۂ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا۔ حجاج اور معتمرین کی کثرت دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ اس سال کس کس کا حج وعمرہ مقبول ہوگیا ہے تو میں جاکر اس کو مبارک باد پیش کرتا اور کس کس کا ٹھکرادیا گیا ہے تو جاکر اس کی تعزیت کرتا۔

جب رات ہوئی تو میں نے خواب میں کسی کہنے والے کو کہتے ہوئے سنا کہ اے مالک بن دینار! تم نے حجاج و معتمرین کی بابت جاننا چاہا ہے تو سن، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چھوٹے بڑے، مرد وعورت، اور سیاہ وسفید ہر کسی کو بخش دیا ہے، سوائے ایک شخص کے؛ کیوں کہ اللہ اس سے ناراض ہے اور نتیجے میں اس کا حج مردود کردیا گیا اور اس کی نیکیاں اس کے منہ پر ماردی گئی ہیں۔

حضرت مالک کہتے ہیں (یہ سن کر میرا اِضطراب اور فزوں ہوگیا، اور مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں وہ مردود شخص میں ہی تو نہیں) چنانچہ اسی بیقراری کے عالم میں جب دوسری رات سویا تو پھر کچھ ایسا ہی خواب دیکھا؛ مگر اس میں اتنا اِضافہ تھا کہ (اے مالک!) وہ مردود شخص تو نہیں ہے بلکہ خراسان کے شہر بلخ کا رہنے والا ایک شخص ہے، جسے محمد بن ہارون بلخی کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ صبح ہوئی تو میں خراسانی حجاج کے قافلے میں پہنچا، اور لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے بھائیوں میں کوئی محمد بن ہارون ہے؟، لوگوں نے کہا: اوہ! حیرت کی بات ہے۔ آپ ایک ایسی عظیم وجلیل شخصیت کی بابت یوں بے تکلفی سے پوچھ رہے ہیں، شاید

آپ کو معلوم نہیں کہ خراسان کی سرزمین پر ان سے زیادہ صاحب زہد و ورع اس وقت کوئی نہیں ہے!۔

کہتے ہیں کہ اَب میں ایک بار اپنے خواب کو سوچتا ہوں اور پھر جب اس شخص کی بابت لوگوں کی تعریف و توصیف سنتا ہوں تو حیرت و اِستعجاب میں ڈوب جاتا ہوں۔ میں نے کہا: اچھا مجھے ان کی بارگاہ تک پہنچاؤ۔ لوگوں نے کہا: وہ چالیس سال سے مسلسل دن میں روزے رکھتے اور رات کو عبادتیں کرتے ہیں، نیز وہ ویرانوں میں رہتے ہیں۔ اور شاید اس وقت وہ یہیں کہیں مکہ کے کھنڈرات میں ہوں گے۔

کہتے ہیں کہ اب میں نے کھنڈرات میں جا کر اُن کی تلاش شروع کی تو انھیں ایک دیوار کے پیچھے کھڑا پایا۔ ان کا دایاں ہاتھ ان کی گردن میں پڑا ہوا تھا جسے انھوں نے دو بڑی بیڑیوں سے مضبوطی کے ساتھ باندھ رکھا تھا اور اسی حالت میں رکوع و سجود کیے جا رہے تھے۔ میرے قدموں کی آہٹ محسوس کر کے انھوں نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: مالک بن دینار، اور بصرہ کا رہنے والا ہوں۔

یہ سن کر کہنے لگے: اچھا! تم ہی مالک بن دینار ہو جن کی علمیت اور زہد و تقویٰ کے ڈنکے پورے عراق میں بج رہے ہیں۔ میں نے کہا: عالم تو اللہ رب العزت ہے۔ اور زاہد و عابد حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں، وہ اگر چاہیں تو خوب عیش و عشرت سے زندگی گزار سکتے ہیں؛ لیکن بادشاہت کے باوجود انھوں نے زہد و ورع اختیار فرمایا اور دنیا سے بے رغبتی ان کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، ہمیں تو دنیاوی نعمتیں میسر ہی نہیں، اس لیے ان سے دور ہیں۔

پھر انھوں نے پوچھا: مالک! کس مقصد سے آئے ہو؟ اگر تم نے کوئی خواب دیکھا ہو تو مجھ سے بیان کرو۔

کہتے ہیں کہ مجھے حیا دامن گیر ہوئی کہ میں کیسے اُن کے سامنے اسے بیان کروں؛

مگر انھوں نے اِصرار کے ساتھ کہا: بلا تکلف بیان کرو۔ چنانچہ میں نے دبے لفظوں اسے بیان کر دیا۔ یہ سن کر وہ دیر تک روتے رہے۔

میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ کے اور اللہ کے درمیان کوئی بڑا گناہ حائل ہے؟، کہنے لگے: ہاں! بہت بڑا، زمین و آسمان اور عرش و کرسی سے بھی بڑا ہے۔ میں نے کہا: مجھے آپ اپنا وہ گناہ بتائیں تاکہ میں لوگوں کو اس کے اِرتکاب سے بچاؤں اور انھیں اس گناہ سے ڈراؤں جس کی سزا آپ بھگت رہے ہیں۔ پھر وہ یوں گویا ہوئے :

اے مالک! امر واقعہ یہ ہے کہ میں بہت ہی شرابی انسان تھا، اور ہر وقت شراب کے نشے میں مدہوش رہتا۔ ایک مرتبہ میں اپنے ایک شرابی دوست کے پاس گیا۔ میں نے وہاں خوب شراب پی، پھر جب مجھ پر نشہ طاری ہونے لگا، اور میری عقل پر پردہ پڑ گیا تو میں نشے کی حالت میں گرتا پڑتا اپنے گھر پہنچا، اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میری زوجہ نے دروازہ کھولا۔

میں گھر کے اندر داخل ہوا تو میری والدہ تنور میں آگ جلا کر لکڑیاں ڈال رہی تھی، اور اس میں خوب آگ بھڑک رہی تھی۔ جب انھوں نے مجھے نشہ کی حالت میں لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو قریب آئیں، مجھے تھاما اور فرمانے لگیں :

آج شعبان کا آخری دن اور ماہِ رمضان کی پہلی شب ہے۔ لوگ تو روزے کی حالت میں صبح کریں گے؛ مگر لگتا ہے تم نشے ہی کی حالت میں صبح کرو گے۔ کیا تمھیں کچھ بھی اللہ سے شرم نہیں آتی؟ کب تک اپنا یہ حال بنائے رکھو گے؟۔

ان کی یہ باتیں سن کر مجھے بہت غصہ آیا اور نشے کی حالت میں میں نے انھیں ایک مکا رسید کر دیا، تو ان کے منہ سے نکلا: اللہ تیرا بیڑا غرق کرے۔ اُن کی یہ بات سن کر مجھے اور غصہ چڑھ گیا اور میں نے نشے کی حالت میں انھیں اُٹھا کر دہکتے ہوئے تندور میں پھینک دیا۔ جب میری بیوی نے میری اس حرکت کو دیکھا تو اس نے مجھے پکڑ کے ایک کوٹھری کے

اندر بند کرکے باہر سے تالا چڑھا دیا؛ تا کہ پڑوسی میری آواز نہ سن سکیں اور انھیں معاملے کی خبر نہ ہو۔

میں اسی طرح نشے میں پڑا رہا۔ جب رات کی آخری گھڑیاں آئیں تو میرا نشہ دھیرے دھیرے ہرن ہونے لگا۔ میں دروازے کی طرف بڑھا تو بند تھا۔ میں نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ دروازہ کھولو۔ تو اس نے نہایت بے رخی سے جواب دیا کہ میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔

میں نے کہا: تیرا خانہ خراب ہو۔ تم یہ غصہ کس بات کا دکھا رہی ہو؟ کہا: اسی گھر کی کوٹھری میں پڑے رہو، تم جیسے بے رحم شخص پر کون رحم کھائے گا؟

میں نے کہا: تم یہ کیا باتیں کررہی ہو؟ بولی: بدبخت! تم اپنی ماں کے قاتل ہو۔ تم نے انھیں اُٹھا کر تندور میں پھینک دیا اور وہ بے چاری جل کر راکھ ہوگئی ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے دروازہ اکھاڑ پھینکا، اور تندور کی طرف لپکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری ماں جلی ہوئی روٹی کی مانند ہوچکی ہیں۔

اب میری ندامت وافسوس کی انتہا ہوگئی اور میں اسی عالم میں گھر سے نکل پڑا، سارا مال صدقہ کردیا، غلاموں کو آزاد کردیا۔ اور آج چالیس سال سے مسلسل دن میں روزے رکھ رہا ہوں اور رات میں عبادتیں کررہا ہوں۔ نیز ہر سال حج بھی کرتا ہوں۔ اور ہر سال کوئی نہ کوئی (عارف باللہ) اس قسم کا خواب آکر مجھے سناجاتا ہے۔

حضرت مالک فرماتے ہیں کہ اب میں نے عالم غضب میں اپنا ہاتھ اس کے چہرے پر پھیر کر کہا: اے نامراد! قریب ہے کہ جو آگ تجھ پر نازل ہونے والی ہے وہ ساری زمین کو جلا ڈالے۔ یہ سب کچھ کرکے اب آکر یہاں پناہ گزیں ہوگئے ہو۔

پھر میں وہاں سے ایک طرف ہوگیا اور ایک جگہ چھپ گیا تاکہ وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ جب اس نے محسوس کیا کہ میں جا چکا ہوں تو اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیے اور مناجات کرنے لگا: اے مشکلیں آسان کرنے والے، غم کی بدلیوں کو چھانٹنے والے، اور بے قراروں کی دعائیں قبول کرنے والے! میں تیری رضا کا طالب، تیری ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں، جو کچھ ہوا اُسے معاف فرما دے۔ اب تک میری اُمیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں، اور تو دعاؤں کو رُسوا نہیں فرماتا۔

حضرت مالک کہتے ہیں کہ اس کی یہ رقت انگیز مناجات سن کر میں اپنی رہائش کی طرف لوٹ آیا، پھر جب رات آئی تو دل کی آنکھیں کھل گئیں، مجھے خواب میں پیارے آقا رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے ارشاد فرمایا: اے مالک! تمھیں اس لیے پیدا نہیں کیا گیا کہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کرتے پھرو۔

تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی بلندیوں سے محمد بن ہارون پر نگاہِ رحمت ڈال دی ہے، اس کی دعائیں مقبول ہوگئی ہیں، اور اس کے کاندھے سے گناہوں کا بوجھ بھی اُتار دیا گیا ہے؛ لہٰذا اس کے پاس جا کر کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو روزِ قیامت جمع فرمائے گا، اگر کسی سینگ والے جانور نے بغیر سینگ والے جانور کو مارا ہوگا تو اس کو بدلہ دلوائے گا اور ذرّے ذرّے کا حساب لے گا۔ یوں ہی جب بدلہ لینے کی باری آئے گی، تو تجھے تیری والدہ کے ساتھ اِکٹھا کیا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ہوئی زیادتی کے نتیجے میں تجھے (ایک خاص وقت تک کے لیے) جہنم کا عذاب چکھایا جائے گا۔ پھر اخیر میں تجھے تیری ماں کے حوالے کر دیا جائے گا، (پھر تیری ماں کی مرضی)۔

حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں فوراً محمد بن ہارون کے پاس گیا اور انھیں بشارت دی کہ آج رات مجھے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور پھر میں نے ان سے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

خدا کی قسم! میرا خواب سن کر وہ جھوم اُٹھے اور اسی لمحے ان کی روح اس آسانی سے ان کے تن سے جدا ہوگئی کہ جس طرح پتھر کو پانی میں ڈالا جائے تو وہ آسانی سے نیچے کی جانب چلا جاتا ہے۔ پھر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا اور میں نے ان کے جنازے میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔(۱)

ایک بچی کی اپنے مولا سے مناجات

حضرت جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت مالک بن دینار کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شب میں خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک بھولی سی چھوٹی بچی پر پڑ گئی جو غلافِ کعبہ سے چمٹ کر کہہ رہی تھی :

یا رب ذهبت اللذات، و بقيت التبعات، یا رب كم من شهوة ساعة قد أورثت صاحبها حزنا طويلا، یا رب أما لک عقوبة و لا أدب إلا بالنار؟.

یعنی اے پروردگار! بہت سی شہوتوں کی لذتیں جاتی رہیں، صرف ان کا عذاب باقی رہ گیا۔ اے مولا! محض ایک گھڑی کی شہوت انسان کو کتنے گہرے حزن والم میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اے میرے پالنہار! کیا آگ اور دوزخ کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہیں جسے تو بطورِ سزا تجویز کرتا یا جس سے تو گنہ گاروں کو تادیب کرتا ہے!۔

اس طرح اس چھوٹی بچی کی اپنے مولا سے سرگوشیاں، مناجات اور راز و نیاز کی باتیں تادم سحر چلتی رہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کا مکالمہ سن کر حضرت مالک اپنا سر پیٹ کر رونے

---

(۱) برالوالدین: ۱/۷ تا ۸......عیون الحکایات ابن الجوزی: ۱/۲۱۸ تا ۲۲۲۔

لگے اور اضطراب و بے کسی کے عالم میں فرمایا: مالک پر اس کی ماں روئے اور اتنا روئے کہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آج کی رات اس چھوٹی بچی (جویریہ) نے بازی مار لیا ہے۔(۱)

حسن نیت، عمل سے بہتر

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دورانِ طواف یہ کہتے ہوئے سنا:

اللّٰهم قبلت حجاتي الأربع فاقبل هذه الحجة، فقلت كيف عرفت أن اللّٰه قبلها؟ قال أربع سنين كنت أنوي كل سنة أن أحج و علم نيتي و حججت من عامي فأنا خائف أن لا يقبل مني فعلمت أن النية أفضل من العمل .... (۲)

یعنی اے اللہ! جس طرح تو نے میرے (سابقہ) چاروں حج قبول فرما لیے ہیں، اسی طرح اس حج کو بھی شرفِ قبول عطا فرما۔ میں نے حیرت سے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تیرے پچھلے حج قبول کر لیے ہیں؟ کہا: چار سال سے میں صرف حج کرنے کی نیت کر رہا تھا تو اسے تو نیتوں کا علم ہے؛ مگر اس سال حج کرنے کا اتفاق ہوا ہے؛ لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ یہ قبول ہونہ ہو۔ (حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اس شخص کے عمل سے مجھ پر واضح ہو گیا کہ) نیت، عمل سے افضل اور بہتر ہوا کرتی ہے......۔

---

(۱) اخبار مکہ فاکہی: ۱۹۵/۲ حدیث: ۶۲۳ ...... اعتلال القلوب خرائطی: ۱۳۹/۱ حدیث: ۱۳۰...... احیاء علوم الدین: ۱۸۴/۴...... المجالسہ وجواہر العلم: ۳۳۱/۱۔

(۲) فیض القدیر: ۵۷/۲۔

لذتِ آہِ سحر گاہی

حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دورانِ حج ایک مرتبہ میری آنکھ لگ گئی اور خانۂ کعبہ کے قریب ہی سو گیا۔ اتنے میں سعدون مجنون میرے سرہانے آکر یہ شعر پڑھنے لگا :

یا أیھا الراقد کم ترقد
قم یا حبیبي قد دنا الموعد

و خذ من اللیل و ساعاته
فازدد إذا ما سجد السجد

یعنی اے سونے والے! کب تک یوں ہی سوتا رہے گا۔ میرے دوست! اُٹھ دیکھ عرصہ قیامت کتنا قریب آگیا ہے۔

اگر سونا ہی ہے تو رات کی کچھ گھڑیوں میں سو رہا کر، لیکن اُس وقت اُٹھ کر اپنی پیشانی کو لذتِ سجود سے آباد کردے جب کہ عام طور پر سجدہ گزار نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں اور کوئی سجدہ کرنے والا نہیں ہوتا۔(۱)

نیکوں کے طفیل بدوں کا بھلا

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں متواتر چودہ سال تک حج کی سعادت عظمیٰ سے سرفراز ہوتا رہا، اور ہر سال خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک درویش کو کعبہ معظّمہ کا دروازہ پکڑے دیکھا، جب وہ لبیک اللھم لبیک کہتا تو غیب سے آواز سنائی دیتی: لا لبیک۔

(۱) عقلاء المجانین: ۲۲/۱۔

حضرت مالک بن دینار کہتے ہیں کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے چودھویں سال اس شخص سے پوچھا: اے درویش! تو بہرہ تو نہیں؟۔

اس نے کہا: میں سب کچھ سن رہا ہوں۔

میں نے کہا: پھر یہ تکلیف کیوں اُٹھاتے ہو؟۔

اس نے کہا: اے شیخ! میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ اگر بجائے چودہ سال کے چودہ ہزار سال میری عمر ہو جائے اور بجائے سال کے ہر روز ہزار بار یہ جوابِ 'لا لبیک' سنائی دے تب بھی اس دروازے سے نہ ہٹوں گا اور اس در سے اپنا سر نہ اُٹھاؤں گا!۔

آپ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم مصروف گفتگو ہی تھے کہ اچانک آسمان سے ایک کاغذ اس کے سینہ پر گرا، اس نے وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا، جب میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں درج تھا:

> اے مالک! تو چاہتا کیا ہے کہ میرے بندے کو مجھ سے جدا کر دے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس کے چودہ سال کے حج قبول نہیں کیے! ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس مدت میں آنے والے تمام حاجیوں کے حج بھی میں نے اس کی پکار ہی کی برکت سے قبول کیے ہیں۔

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

کہاں تھا میں اِس کرم کے قابل!

شہر بصرہ میں ایک متمول گھرانے کا خوش رو نوجوان تھا، زرق برق لباس، کھیل کود اور خوشحال زندگی۔ حضرت مالک بن دینار کو وہ ایک روز بصرہ سے دور کسی مقام پر مصروفِ آہ

وبکا ملا، اشکوں کے موتی اس کی آنکھوں سے ڈھلک کراس کے دامن کو بھگو رہے تھے۔

حضرت مالک بن دینار نے اسے پہلے خوشحال اور توانائی میں دیکھا تھا، اب اس کیفیت میں پا کر مشکل سے پہچان سکے۔ اس کی یہ حالت زار دیکھ کر آپ کی آنکھیں بھی اَشک بار ہوگئیں۔ نوجوان نے حضرت مالک بن دینار سے گزارش کی :

آپ اپنے اوقاتِ خاص میں میرے لیے دعا کیجیے گا اور رب تعالیٰ سے میری توبہ اور بخشش مانگیے گا، میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی دعا کی برکت سے غفار وستار پروردگار مجھے معاف فرما دے گا۔ پھر اس نے کچھ دردانگیز اشعار پڑھے۔

اسی سال حج کے موقع پر حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ دورانِ طواف انھوں نے دیکھا کہ حجاج کرام کے ازدحام میں کوئی زار و قطار رو رہا ہے جس کی وجہ سے طواف کرنے والے رک رک جاتے ہیں۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو وہی بصری نوجوان تھا۔

حضرت مالک بن دینار مطاف میں اس نوجوان کو پا کر بہت خوش ہوئے، سلام کر کے قریب گئے اور کہا: پروردگار عالم کا شکر ہے کہ اس نے تیرے خوف کو امن سے بدل دیا اور تیری آرزو برآئی۔ اے نوجوان! اللہ واسطے اب تو مجھے بتا کہ تیرا حال کیا ہے؟۔

نوجوان نے کہا: رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے، اس نے مجھے بلایا، میں چلا آیا اور پھر میں نے جو طلب کیا اس نے مجھے عطا کیا۔

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں ابھی طواف ہی میں مصروف تھا کہ وہ چلا گیا اس کے بعد نہ میں اس سے ملا اور نہ اس کی کوئی خبر پائی۔ (۱)

---

(۱) روض الریاحین: ۱۰۶ تا ۱۰۷ بحوالہ بزم اولیاء: ۱۸۱ تا ۱۸۲۔

تو اور تیرے پیروکار سب بخشے گئے!

اِمام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) نے اپنی زندگی میں پچپن حج کیے۔ جب آخری مرتبہ زیارتِ بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو کعبۃ اللہ کا طواف کرنے کے بعد خدامِ کعبہ سے بابِ کعبہ کھولنے اور اندر داخل ہونے کی اِجازت چاہی۔ جب دروازہ کھول دیا گیا تو بیت اللہ کے دونوں ستونوں کے درمیان آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھ کر پورا قرآن ختم کر دیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام اعظم پر گریہ طاری ہوا، خوب روئے اور دیر تک بارگاہِ صمدیت میں یوں مصروفِ مناجات رہے:

اے پروردگار! اس بندۂ ضعیف نے تجھے کمالِ معرفت (یعنی صفاتِ کبریائی) کے ساتھ پہچانا جیسا کہ تجھے جاننے کا حق ہے؛ مگر افسوس! تیرے شایانِ شان تیری عبادت نہ کرسکا۔ تو اے مالک ومولا! تو اِس ناتواں بندے کی خدمت کی کمی کو اس کی کمالِ معرفت کی وجہ سے معاف فرما دے، (یعنی اس کی کمالِ عرفان کو اس کی نقصانِ خدمت کا کفارہ بنا دے)۔

راوی کہتے ہیں کہ اسی دوران خانہ کعبہ کے ایک گوشہ سے ہاتف غیبی نے آواز دی:

وعرفت فأحسنت المعرفة وخدمت فأحسنت الخدمة غفرنا لک و لمن کان علی مذهبک إلی قیام الساعة. (۱)

یعنی اے ابوحنیفہ! تو نے ہمیں کما حقہ پہچانا بھی اور ہمارے دین کی خوب خوب خدمت بھی کی؛ لہٰذا ہم نے تجھے اور قیامِ قیامت تک تیرے مذہب کے ہونے والے پیروکاروں کو سند مغفرت عطا کرتے ہیں۔

(۱) عقود الجمان: ۲۲۰۔ کے علاوہ علامہ طحطاوی کردری، حدائق الحنفیہ، اور رد المحتار: ۳۵/۱ میں بھی قدرے تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ -چڑیا کوٹی-

تعظیم وتکریم کے طور

حضرت وہیب بن ورد مکی (م۱۵۳ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک عورت نے اپنی کسی بہن سے کہا: بہن! میرے رب نے اپنا گھر کھول دیا ہے (اور دروازۂ کعبہ کھل چکا ہے) آؤ چلو اس کے اندر چلیں۔ تو اس نے جواب دیا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں تو (خانۂ کعبہ کی قدر ومنزلت اور اپنے ناپاک قدم کے باعث) اپنے پروردگار کے گھر کے اِرد گرد طواف کرنے میں بھی بے اَدبی محسوس کررہی ہوں پھر جوفِ خانۂ کعبہ کو اپنے پاؤں سے کیسے روندوں!۔ سبحان اللہ، کیا طور ہیں تعظیم وتکریم کے!۔(۱)

اور رحمتِ مولا مہربان ہوگئی

حضرت وہیب بن ورد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بار طوافِ کعبہ کے دوران ایک عورت یہ دعا مانگ رہی تھی:

یا رب، ذهبت اللذات و بقیت التبعات، یا رب، مالک عقوبة إلا النار، أما في عفوک ما یسعني یا أرحم الراحمین، قال: فما استتمت کلامها إلا و قائل یقول: قد غفونا و غفرنا لک. (۲)

یعنی اے پروردگار! اصل لذتیں تو اُٹھ گئیں صرف تبعات باقی رہ گئیں۔ مولا! تیری حکم عدولی تو دخولِ جہنم کا ذریعہ ہے۔ اے ارحم الراحمین! کیا تیرے دامن عفو میں اتنی گنجائش نہیں کہ مجھے اس میں پناہ مل سکے۔ فرمایا: ابھی اس نے اپنی دعا بھی پوری نہ کیا تھا کہ ایک کہنے والا کہہ کر چلا گیا کہ ہم نے تجھے معافی دی اور تیرے گناہوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔

---

(۱) اخبار مکہ فاکہی: ۱۹۳/۲ حدیث: ۶۲۱۔ (۲) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱۲/۱۔

اِردگرد اَشرفیوں کا ڈھیر لگ گیا

حضرت حیوۃ بن شریح علیہ الرحمہ (م ۱۵۸ھ) بڑے صاحب فضیلت اور با کرامت بزرگ تھے۔ عام طور پر ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مستجاب الدعوات ولی ہیں اور مصر میں ان کی یہ کرامت بہت ہی مشہور ہے کہ یہ کنکریاں ہاتھ میں لے کر دعا فرماتے تو ان کی دعا سے کنکریاں کھجور بن جاتی تھیں۔

کچھ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابن وضاح سے بھی منقول ہے کہ ایک شخص کعبہ معظّمہ کا طواف کر رہا تھا اور وہ طواف کے وقت صرف یہی ایک دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! میں بہت قرض دار ہوں، لہٰذا میرے قرض اَدا ہونے کا سامان پیدا فرما دے۔

یہ شخص طواف سے فارغ ہوکر سو گیا تو کسی نے خواب میں آ کر اس کو یہ بشارت دی کہ اگر تم اپنا قرض اَدا ہی کرنا چاہتے ہو تو یہاں سے اسکندریہ چلے جاؤ اور وہاں جا کر شیخ الحدیث حیوۃ بن شریح سے دعا کراؤ۔

چنانچہ یہ شخص اسکندریہ پہنچا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر دعا کی درخواست کی اور طوافِ کعبہ اور اپنے خواب کا سارا ماجرا بیان کیا، تو حیوہ بن شریح نے جمعہ کے دن نمازِ عصر کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اُٹھایا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ اس شخص نے دیکھا کہ آپ کے اِردگرد سونے کی اشرفیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اے شخص! دیکھ خدا سے ڈر اور اپنی حاجت سے زیادہ اس میں سے نہ لینا؛ چنانچہ اس شخص کا بیان ہے کہ میں تین سو دینار کا قرض دار تھا تو میں نے گن کر تین ہی سو دینار اس میں سے اُٹھائے اور پھر اسکندریہ سے اپنے وطن چلا آیا۔(۱)

---

(۱) تہذیب التہذیب بحوالہ اولیاء رجال الحدیث: ۹۰، ۹۱۔

اللہ اپنی سلامت عطا کرے

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ (م۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو غلافِ کعبہ سے چمٹا ہوا دیکھا کہ وہ کچھ اس طرح دعا مانگ رہا ہے:

اے اللہ مجھے سلامت رکھ۔

میں نے اس سے پوچھا: اے شخص! آخر بات کیا ہے، اور تم کس چیز سے سلامتی کی دعا مانگ رہے ہو؟ تو اس نے کہا:

يا أخي كنا أربعة أخوة تنصر أحدنا عنداً، وتهوَّد الآخر، و تمجس الثالث، و بقيت أنا خائفا من اللّٰه تعالىٰ و راغبا في السلامة . (۱)

یعنی اے میرے دوست! میرے کل چار بھائی تھے، جن میں سے ایک نصرانی ہو کر مرا، دوسرا یہودی ہو کر اور تیسرا مجوسی بن کر۔ اب باقی صرف میں بچا ہوں، مجھے خوفِ الٰہی دامن گیر ہے (اس لیے خاتمہ کی) سلامتی کی دعا کر رہا ہوں۔

طلب مغفرت کا منفرد آہنگ

حضرت سفیانِ ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک اعرابی کو حالت طواف میں یہ کہتے سنا:

إلٰهي من أولى بالتقصير مني و قد خلقتني ضعيفا، و من أولى بالكرم منک و قد سميت نفسک رؤوفا، و لک المنة علي

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۹۔

وقد عصيتک بعلمک، و لک الحجة علي فبانقطاع حجتي و وجوب حجتک و فقري إليک وغناک عني إلا ما غفرت لي. (۱)

یعنی میرے پروردگار! مجھ سے بڑا کوتاہ عمل اورکون ہوگا اورتو نے مجھے پیدا بھی کمزور ہی کیا ہے۔ اورتجھ سے بڑھ کر عطاونوال کی بارشیں کرنے والا کون ہے اورپھرتو نے اپنا نام ہی ’’رؤوف‘‘ چن لیا ہے۔ تیرا مجھ پر کتنا اِحسان ہے اور میں ہوں کہ جانتے ہوئے بھی تیری معصیت کا مرتکب ہوا جارہا ہوں۔ اب میری کٹ حجتی کے بعد تیری حجت مجھ پر قائم ہوچکی ہے۔ لہٰذا اب اپنی حجت وغنا کے مقابل میرے فقر کو دیکھتے ہوئے مجھے معاف فرمادے۔

درودِ پاک کی برکات

حضرت محمد بن منکدر -رحمہ اللہ- اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سفیانِ ثوری -علیہ الرحمہ- نے دورانِ طواف ایک ایسے نوجوان کو دیکھا جو قدم قدم پر درود شریف پڑھ رہا تھا۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے نوجوان! تم تسبیح وتہلیل چھوڑ کر صرف درود شریف ہی پڑھ رہے ہو، کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟۔

نوجوان نے پوچھا: آپ کون ہیں؟۔ میں نے جواب دیا: سفیان ثوری۔

اس نے کہا کہ اگر آپ کا شمار اہل اللہ میں نہ ہوتا تو میں کبھی بھی آپ کو یہ راز نہ بتاتا۔ ہوا یوں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ حج کے اِرادے سے نکلا، راستے میں ایک جگہ والد گرامی پر سخت بیماری کا حملہ ہوا، میں نے بہت ساری کوششیں کی مگر انھیں موت سے نہ بچاسکا۔ موت کے بعد یکایک ان کا چہرہ سیاہ ہوگیا، یہ دیکھ کر میری کیفیت دگرگوں ہوگئی اور میں نے بے تابانہ ’اناللہ وانا الیہ راجعون‘ پڑھ کر اُن کا چہرہ ڈھک دیا۔

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح:

اسی غم والم کے عالم میں میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہوگئیں، کیا دیکھتا ہوں کہ نفیس ترین کپڑوں میں ملبوس، حسن و جمال میں یکتا ایک بزرگ تشریف لائے جن کے وجود مسعود سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں، وہ بزرگ نازک خرامی کے ساتھ آئے اور میرے باپ کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ہاتھ سے چہرے کی طرف اِشارہ کیا ہی تھا کہ ان کا چہرہ چمک دار اور روشن ہو گیا۔

جب وہ بزرگ واپس تشریف لے جانے لگے تو میں نے ان کا دامن تھام لیا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے طفیل اس غریب الوطنی میں میرے باپ کی آبرو رکھ لی، تو جاتے جاتے یہ تو بتا جائیں کہ آپ ہیں کون؟۔ انھوں نے لبوں پر تبسم سجا کر فرمایا: تم مجھے نہیں پہچانتے؟۔ میں صاحبِ قرآن نبی آخر الزمان محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہوں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ تیرا باپ اگرچہ بہت گنہ گار تھا مگر مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرتا تھا، پھر جب اس پر مصیبت نازل ہوئی، تو اس نے مجھ سے مدد طلب کی اور میں ہر اس شخص کا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھے (بطورِ خاص) فریادرس ہوں۔

نوجوان کہتا ہے کہ اس کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی اور کیا دیکھتا ہوں کہ واقعتاً میرے باپ کا چہرہ سفید و روشن ہو گیا ہے۔(۱)

اس واقعے کو شیخ زکریا کاندھلوی نے 'فضائل اعمال' میں بھی تفصیل سے بیان کیا ہے؛ حالانکہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دست گیری، حاجت روائی اور دافع البلائی کا واضح ذکر موجود ہے جسے وہ لوگ اپنے خودساختہ عقیدے کے مطابق شرک خیال کرتے ہیں۔ سچ ہے: 'فضیلت وہ جس کی گواہی دشمن بھی دینے پر مجبور ہو جائے'۔

راہِ خدا میں بیٹے کی قربانی

جس وقت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ (م۱۶۲ھ) نے شہر بلخ کی سلطنت کو خیرباد کہا، اس وقت آپ کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ جوانی میں اس نے ایک مرتبہ اپنی ماں

(۱) مکاشفۃ القلوب: ۱۳۶...... روض الریاحین: ۱۳۲ بحوالہ بزم اولیاء: ۲۱۸ تا ۲۱۹۔

سے پوچھا کہ امی جان! میرے والد کہاں ہیں؟ تو والدہ نے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد بتایا کہ وہ اس وقت مکہ معظّمہ میں مقیم ہیں۔

یہ سن کر لڑکے نے پورے شہر میں ندا کرادی کہ جو لوگ اس سال میرے ہمراہ سفرِ حج پر چلنا چاہیں میں ان کے پورے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

یہ منادی سن کر تقریباً چار ہزار اَفراد چلنے پر آمادہ ہوگئے، جن کو وہ لڑکا اپنے ہمراہ لے کر والد کے دیدار کی تمنا میں کعبۃ اللہ پہنچ گیا اور جب اس نے مشائخ حرم سے اپنے والد کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے مرشد ہیں اور اس وقت وہ جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں کہ فروخت کرکے اپنے اور ہمارے کھانے کا کچھ انتظام کریں۔

یہ سنتے ہی لڑکا جنگل کی جانب چل پڑا اور ایک بوڑھے کو سر پر لکڑیوں کا بوجھ لادکر لاتے دیکھا۔فرطِ محبت سے وہ بیتاب ہوگیا؛ لیکن بطورِ سعادت مندی اور ناواقفیت اَحوال‘ خاموشی کے ساتھ آپ کے پیچھے بازار تک پہنچ گیا اور جب وہاں جاکر حضرت ابراہیم نے آواز لگائی کہ کون ہے جو پاکیزہ مال کے عوض پاکیزہ مال خریدے۔تو ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے چند روٹیوں کے عوض میں وہ لکڑیاں خرید لیں۔ پھر وہ روٹیاں لاکر آپ نے اپنے اِرادت مندوں کے سامنے رکھ دیں اور خود نماز میں مشغول ہوگئے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم اپنے اِرادت مندوں کو ہمیشہ یہ ہدایت فرماتے کہ کبھی کسی عورت یا بے ریش لڑکے کو نظر بھر کر نہ دیکھنا، اور خصوصاً اُس وقت زیادہ محتاط رہنا جب ایامِ حج کے دوران کثیر تعداد میں عورتیں اور بے ریش لڑکے جمع ہوجاتے ہیں۔تمام اَفراد اس ہدایت کے پابند رہتے ہوئے آپ کے ہمراہ شریک رہتے۔

چنانچہ خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران حضرت ابراہیم بن ادہم کا وہی لڑکا آپ کے سامنے آگیا، اور محبت پدری نے جوش مارا اور بے ساختہ آپ کی نگاہیں اس پر پڑیں تو جمی کی جمی رہ گئیں۔فراغت طواف کے بعد آپ کے ارادتمندوں نے عرض کیا- اللہ آپ کے

حال پر رحم فرمائے-آپ نے ہمیں جس بات سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی اس میں آپ خود ہی ملوث ہو گئے۔کیا آپ اس کی کچھ وجہ بیان کریں گے؟۔

آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو تمہارے علم میں ہے ہی کہ جس وقت میں نے بلخ چھوڑا تھا اس وقت میرا ایک چھوٹا سا بچہ تھا،اور مجھے یقین ہے کہ دورانِ طواف میں نے اپنے ہی بچے پر نظر ڈالی تھی۔

بہر حال! اگلے دن آپ کا ایک مرید جب بلخ کے قافلہ کی تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہی لڑکا حریر اور دِیباج کے خیمہ میں ایک کرسی پر بیٹھا تلاوتِ قرآن کر رہا ہے اور جب اس نے آپ کے مرید سے آنے کا مقصد دریافت کیا تو مرید نے سوال کیا کہ آپ کس کے صاحبزادے ہیں؟۔

یہ سنتے ہی اس لڑکے نے روتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا؛ لیکن کل ایک بوڑھے لکڑ ہارے کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ شاید یہی میرے والد ہیں،اور اگر میں ان سے کچھ پوچھ گچھ کرتا تو اندیشہ تھا کہ وہ فرار ہو جاتے؛ کیوں کہ وہ مدتوں سے گھر سے غائب ہیں،اور ان کا اسم گرامی ابراہیم بن ادہم ہے۔

یہ سن کر مرید نے کہا کہ چلیے میں ان سے آپ کی ملاقات کروادوں۔وہ اپنے ہمراہ آپ کی بیوی اور بیٹے کو لے کر بیت اللہ میں داخل ہو گیا،جس وقت بیٹے کی نظر آپ پر پڑی تو فرطِ محبت سے بیتابانہ دونوں لپٹ گئے اور روتے روتے بیہوش ہو گئے اور ہوش میں آنے کے بعد حضرت ابراہیم نے بیٹے سے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: اِسلام۔

پھر سوال کیا کہ کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟۔

لڑکے نے اثبات میں جواب دیا۔

پھر پوچھا کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہے؟۔

لڑکے نے کہا جی ہاں !۔

یہ سن کر فرمایا کہ الحمدللہ۔

اس کے بعد جب آپ جانے کے لیے اُٹھے تو بیوی اور بچے نے اِصرار کر کے آپ کو روک لیا جس کے بعد آپ نے آسمان کی طرف چہرہ اُٹھا کر کہا: یاالٰہی !اَغِثْنِی . یہ کہتے ہی آپ کا صاحبزادے زمین پر گر پڑا اور اُس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

جب اِرادتمندوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جب میں بچے سے ہم آغوش ہوا تو وفورِ جذبات اور فرطِ محبت سے بے تاب ہو گیا اور اسی وقت غیب سے یہ ندا آئی کہ ابراہیم! دوستی کا دعویٰ تو ہم سے ہے اور گرفتار دوسرے کی محبت میں ہو گئے !۔

یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! ہم دونوں میں سے کسی ایک کو لے لے۔ چنانچہ لڑکے کے حق میں دعا قبول ہو گئی۔(۱)

جرم پر ہی تو ہے موقوف' ظہورِ رحمت

حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے تنہا خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ ایک تاریک رات تھی۔ میں دروازۂ کعبہ کے نزدیک ملتزم پر کھڑا ہو گیا اور یہ دعا کرنے لگا: اے اللہ! مجھے اپنی حفاظت میں رکھ تاکہ میں تیری نافرمانی نہ کر سکوں۔

اچانک بیت اللہ کی طرف سے آواز آئی: اے ابراہیم! تم گناہوں سے حفاظت چاہتے ہو اور میرے تمام مومن بندے بھی یہی دعا کرتے ہیں، اگر میں سب کو گناہوں سے محفوظ کر دوں اور معصوم بنا دوں تو اپنا فضل اور مغفرت کس پر کروں گا!۔(۲)

---

(۱) لطائف المعارف:۶۸/۱......روض الریاحین:۱۳۰۔

(۲) روح المعانی:۲۸۵/۳......احیاء علوم الدین مترجم:۲۴۲/۴۔

زمرۂ صالحین میں شامل ہونے کا نسخہ

حضرت عبدالرحمٰن سلمی نے طبقات الصوفیہ میں حضرت ابراہیم بن ادہم کا قول نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص خانۂ کعبہ کے طواف میں دیوانہ وار مصروف تھا، اور دورانِ طواف اللہ کے حضور بآوازِ بلند التجائیں کر رہا تھا کہ باری تعالیٰ! مجھے صالحین کا درجہ عطا کر دے اور مجھے زمرۂ صالحین میں شامل فرمالے۔

دوران طواف آپ نے اس کی بات سنی اور اس کو ایک طرف لے جا کر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! جب تک چھ چیزیں اور چھ تکلیفیں تو اپنے اوپر لازم نہ کر لے، اس وقت تک صالحین کے زمرے میں شامل نہیں ہوسکتا۔ اگر صالحین میں شامل ہونے کا آرزومند ہے تو تیرے لیے ضروری ہے کہ چھ دروازے اپنے اوپر بند کر لے اور چھ دروازے کھول لے۔

پہلا یہ ہے کہ نعمت وسہولت اور عیش وعشرت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے۔ اور شدت، مشقت اور تکلیف کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

دوسرا یہ کہ عزت اور شان وشوکت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے۔ اور ذلت و مسکنت اور عاجزی وانکساری کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

تیسرا یہ کہ راحت وآرام کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے، راحت وآرام دوسرے کو دے، اور اپنے اوپر جہد اور بے آرامی کا دروازہ کھول لے۔

چوتھا یہ کہ نیند وغفلت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لے اور بے خوابی کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

پانچواں یہ کہ مال و دولت اور غنا وثروت کا دروازہ بند کر لے۔ اور فقر و بے نیازی کا دروازہ اپنے اوپر کھول دے۔

چھٹی یہ کہ لمبی اُمیدوں اور آرزوؤں کا دروازہ بند کر لے۔ اور موت کی طرف اپنا دھیان جما لے، اور راہِ آخرت کی مسافرت کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا: بیٹے! اگر تو نے اِن چھ نصیحتوں کو رنگ عمل دے دیا تو تو یقین رکھ کہ تجھے زمرۂ صالحین میں شمولیت نصیب ہو جائے گی۔(۱)

کعبہ معظّمہ، رابعہ بصریہ کے اِستقبال میں

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادہم جب سفرِ حج پر روانہ ہوئے تو ہر گام پر دو رکعت نماز اَدا کرتے ہوئے چلے اور مکمل چودہ سال میں مکہ معظّمہ پہنچے۔ دورانِ سفر یہ بھی کہتے گئے کہ دوسرے لوگ تو قدموں سے چل کر پہنچے ہیں؛ لیکن میں آنکھوں کے بل پہنچوں گا اور جب مکہ میں داخل ہوئے اور طوافِ خانۂ کعبہ کے لیے مطاف میں اُترے تو وہاں خانۂ کعبہ دکھائی نہ دیا۔

چنانچہ اس تصور سے آپ آب دیدہ ہوگئے کہ شاید میری بصیرت زائل ہو چکی ہے؛ لیکن غیب سے آواز آئی کہ بصیرت زائل نہیں ہوئی بلکہ کعبہ ایک ضعیفہ کے اِستقبال کے لیے گیا ہوا ہے۔

یہ سن کر آپ کو اِحساسِ ندامت ہوا اور گریہ کناں ہوئے کہ یا اللہ! آخر وہ کون سی ایسی برگزیدہ ہستی ہے کہ جس کے استقبال کے لیے خود کعبہ گیا ہوا ہے؟۔

ندا آئی کہ اے ابراہیم! وہ بہت ہی عظیم المرتبت ہستی ہے۔ چنانچہ آپ کی نظر اُٹھی تو دیکھا کہ سامنے سے حضرت رابعہ بصریہ لاٹھی کے سہارے چلی آرہی ہیں اور کعبہ اپنی جگہ موجود ہے۔

---

(۱) طبقات الصوفیہ: ۲۹/۱۔

آپ نے رابعہ بصریہ سے سوال کیا کہ تم نے نظام کو کیوں درہم برہم کر رکھا ہے؟۔

جواب ملا: میں نے تو نہیں کیا البتہ تم نے ایک ہنگامہ ضرور کھڑا کر رکھا ہے جو چودہ برس میں کعبہ تک پہنچے ہو۔

حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں ہر گام پر دو رکعت نفل پڑھتا ہوا آیا ہوں جس کی وجہ سے اتنی تاخیر سے پہنچا۔

رابعہ نے فرمایا کہ تم نے تو نماز کے ساتھ فاصلہ طے کیا ہے اور میں عجز وانکسار کے ساتھ یہاں تک پہنچی ہوں۔

پھر ادائیگی حج کے بعد حضرت رابعہ نے اللہ تعالیٰ سے روکر عرض کی کہ اے بارِ الٰہا! تو نے حج پر بھی اَجر کا وعدہ فرمایا ہے اور مصیبت پر صبر کرنے کا بھی؛ لہٰذا اگر تو میرا حج قبول نہیں فرماتا تو پھر مصیبت پر صبر کرنے کا ہی اَجر عطا کر دے؛ کیوں کہ حج قبول نہ ہونے سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت ہو سکتی ہے!.....۔

منزل سمٹ کر قدموں میں

حضرت ابراہیم بن ادہم اپنی توبہ سے قبل کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ موسم گرما کی ایک سخت دوپہر میں میں اپنے محل کے بالا خانے پر دنیا کی رنگینیوں میں مگن تھا۔ مجھے ہر طرح کی سہولت میسر تھی، محل کی ایک کھڑکی شارعِ عام کی طرف کھلتی تھی جس سے میں باہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔

اس دن بہت شدید گرمی تھی لیکن میں اپنے آرام دہ، ٹھنڈے، اور ہوادار بالا خانے میں اپنے رفقا کے ساتھ بڑے سکون سے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ یکا یک میری نظر اس کھڑکی کی طرف پڑی جو شارعِ عام کی طرف کھلتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس سخت گرمی میں ایک بزرگ بوسیدہ سی چادر میں لپٹا دنیا کے غموں سے بے فکر محل کی دیوار کے سائے

تلے بڑے سکون سے بیٹھا ہے۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت حیران ہوا۔

میں نے فوراً خادم کو بلایا اور کہا: اس بزرگ کے پاس جاؤ اور اسے میری طرف سے سلام عرض کر کے کہو کہ آپ کچھ دیر محل میں تشریف لے چلیں، ہمارا بادشاہ آپ کو بلا رہا ہے۔ خادم فوراً بزرگ کے پاس گیا اور اسے میرا پیغام دیا۔

وہ خادم کے ساتھ میرے پاس آیا اور مجھے سلام کیا۔ میں نے جواب دیا اور اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اس کی قربت سے مجھے دلی سکون نصیب ہوا اور میرے دل سے دنیا کی محبت زائل ہونے لگی۔

میں نے اس بزرگ کے لیے کھانا منگوایا تو انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ میں پوچھا: آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟۔ فرمانے لگے: میں ماوراء النہر سے آیا ہوں۔

میں نے پوچھا: کہاں کا اِرادہ ہے؟۔ فرمانے لگے: انشاء اللہ حج کا اِرادہ ہے۔

میں بہت حیران ہوا؛ کیوں کہ اس دن ذوالحجہ کی دو تاریخ تھی۔

میں نے پوچھا: آپ حج کے لیے اب روانہ ہوئے ہیں حالاں کہ ذوالحجہ کی دو تاریخ ہو چکی ہے!۔ آپ اتنے کم وقت میں حرمین شریفین کیوں کر پہنچ پائیں گے؟۔ تو وہ فرمانے لگے: اللہ رب العزت جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے۔

میں نے کہا: حضور! اگر آپ قبول فرمائیں تو میں بھی آپ کے ساتھ حرمین شریفین کی حاضری کے لیے چلوں!۔

فرمایا: جیسے تمہاری مرضی۔

چنانچہ میں نے اسی وقت اِرادہ کرلیا کہ اس بزرگ کی صحبت ضرور حاصل کروں گا اور اس کے ساتھ حج کرنے جاؤں گا۔

جب رات ہوئی تو اس بزرگ نے مجھ سے فرمایا: چلو، ہم اپنے سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ میں سفر کی کچھ ضروری چیزیں لے کر ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔ انھوں نے میرا

ہاتھ پکڑا اور ہم رات ہی کو بلخ سے روانہ ہو گئے۔

ہم نے رات کے کچھ ہی حصہ میں کافی فاصلہ طے کرلیا۔ پھر ہم ایک گاؤں میں پہنچے تو مجھے ایک شخص ملا، میں نے اسے چند ضروری اشیالانے کو کہا تو اس نے فوراً وہ چیزیں حاضر کر دیں، پھر ہمیں کھانا پیش کیا گیا، ہم نے کھانا کھایا، پانی پیا اور اللہ کا شکر اَدا کیا۔

پھر اس بزرگ نے مجھ سے فرمایا: اُٹھو، چنانچہ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور چل دیے۔ ہم منزل پر منزل طے کرتے جاتے۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ زمین ہمارے لیے سمیٹ دی گئی ہے اور خود بخود ہمیں کھینچ کر منزل کی طرف لے جارہی ہے۔

ہم کئی شہروں اور بستیوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ جب بھی کوئی شہر آتا تو وہ بزرگ مجھے بتاتے کہ یہ فلاں شہر ہے، یہ فلاں جگہ ہے۔

جب ہم کوفہ پہنچے تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: تم مجھے رات کو فلاں وقت فلاں جگہ ملنا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے۔

جب میں وقتِ مقررہ پر اس جگہ پہنچا تو وہ بزرگ وہیں موجود تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو میرا پکڑا اور پھر منزل کی طرف چل دیے۔

میں حیران تھا کہ اس بزرگ کی صحبت میں نہ تو مجھے تھکاوٹ کا اِحساس ہورہا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی وحشت محسوس ہورہی تھی۔ ہماری منزل قریب سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔

پھر اس بزرگ نے فرمایا: اے ابراہیم! اب ہم اپنی عقیدتوں کے مرکز اور عشاق کی آنکھوں کی ٹھنڈک 'مدینہ منورہ' کی ضیابار فضاؤں میں داخل ہونے والے ہیں، سامنے سبز سبز گنبد ہے۔

ہم دھڑکتے دل کے ساتھ روضہ رسول پر حاضر ہوئے اور درود وسلام کے نذرانے پیش کیے۔ میرے دل کو کافی قرار نصیب ہوا۔ میں روضہ اقدس کی معطر ومعنبر فضاؤں میں

گم سا ہو گیا۔

ایسا گما دے ان کی ولا میں خدا ہمیں
ڈھونڈا کریں پَر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

پھر اس بزرگ نے مجھ سے فرمایا: اب میں کسی کام سے جا رہا ہوں اور رات کے فلاں حصے میں تم مجھے فلاں جگہ ملنا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، پھر جب میں مقررہ وقت پر اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ وہاں مجھ سے پہلے ہی موجود ہیں، اور نماز میں مشغول ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: چلو اب 'مکہ معظّمہ' کی طرف چلتے ہیں۔

ہم نے چلنا شروع کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد ہم مکہ مکرمہ کی مشکبار فضاؤں میں سانس لے رہے تھے۔ اب اس بزرگ نے فرمایا: اے ابراہیم! اب تم مکہ پہنچ چکے ہو، اب میں تم سے جدائی چاہتا ہوں۔

یہ سنتے ہی میں نے ان کا دامن تھام لیا اور عرض کیا: میں آپ کی صحبت بابرکت سے مزید فیضیاب ہونا چاہتا ہوں۔ اس عظیم بزرگ نے فرمایا: میں ملک شام جانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: حضور مجھے بھی اپنی رفاقت ملک شام لیتے چلیں۔

فرمانے لگے: اچھا چلو ٹھیک ہے، جب تم حج مکمل کر لینا تو مجھے چاہِ زمزم کے پاس ملنا، میں وہیں تمہارا انتظار کروں گا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ بزرگ وہاں سے تشریف لے گئے، اور میں حسرت بھری نگاہوں سے ان کو دیکھتا رہا۔

جب میں فریضہ حج اَدا کر چکا تو مقررہ وقت پر چاہِ زمزم کے پاس پہنچا۔ وہ وہاں میرے منتظر تھے۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور مکہ معظّمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہم جب شام کی طرف روانہ ہوئے تو اس بزرگ نے ایک مقام پر پہنچ کر پہلے ہی کی طرح مجھ سے فرمایا: تم یہاں میرا انتظار کرنا، میں فلاں وقت تمھیں یہیں ملوں گا۔ وہ وقتِ مقررہ پر وہاں پہنچ گئے، اسی طرح انھوں نے تین مرتبہ کیا، پھر ہمیں بہت جلد شام کی سرحدیں نظر آنے لگیں۔ ہم بہت ہی قلیل وقت میں مکہ معظّمہ سے شام پہنچ گئے۔

وہ بزرگ مجھے لے کر 'بیت المقدس' پہنچے اور مسجد میں داخل ہوئے اور مجھ سے فرمانے لگے: اے اللہ کے بندے! یہی میری رہائش گاہ ہے۔ اب ہماری جدائی کا وقت آ گیا ہے، اللہ تعالٰی تجھے اپنے حفظ واَمان میں رکھے اور تم پر سلامتی ہو۔

اس کے بعد وہ بزرگ اچانک میری نگاہوں سے غائب ہوگئے۔ میں نے ان کو بہت تلاش کیا لیکن مجھے وہ نہ مل سکے، اور نہ ہی ان کے متعلق کسی سے کوئی معلومات مل سکیں، اور میں یہ بھی نہ جان سکا کہ جس عظیم ہستی کی کچھ دنوں کی صحبت نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی، میرے دل سے دنیا کی محبت ختم کر دی، میرے اس محسن کا نام کیا ہے۔ میں اس کے نام سے بھی ناواقف رہا، پھر میں اپنے دل میں اس بزرگ کی جدائی کا غم لیے شام سے بلخ کی طرف روانہ ہوا اور اب میں اس سفر کو بہت طویل محسوس کر رہا تھا اور میرا واپسی کا سفر مجھ پر بہت سخت ہوگیا تھا۔ مجھے اس بزرگ کی رفاقت میں گزرے ہوئے نورانی لمحے بار بار یاد آ رہے تھے۔ بالآخر میں سفر کی کافی صعوبتیں برداشت کر کے کئی دنوں کے بعد اپنے شہر بلخ پہنچا۔

جو واقعات میری توبہ کا سبب بنے، یہ ان میں سب سے پہلا واقعہ تھا، اور اس کی وجہ سے میں دنیاوی زندگی سے کافی بیزار ہو چکا تھا، مجھے اس بزرگ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات بار بار یاد آتے تھے اور میں ان کے دیدار کا مشتاق ہی رہا؛ لیکن دوبارہ آج تک ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ (۱)

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱۳۴ تا ۱۳۷۔

بادشاہ کے منہ پر اُس کی اِصلاح

روایت میں آتا ہے کہ خلیفہ ہادی محمد بن مہدی (م ۱۷۰ھ) تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد مکہ مکرمہ آیا اور چند روز بیت اللہ کے جوار میں مقیم رہا۔ اسی اثنا میں ایک دن اس نے طوافِ کعبہ کا اِرادہ کیا، ماتحت اُمراء وحکام نے مطاف خالی کرالیا۔

جب مہدی طواف میں مشغول ہوا تو عبداللہ بن مرزوق جست لگا کر اس کے پاس پہنچے اور اس کی چادر پکڑ کر اپنی طرف کھینچی اور اسے کئی بار جھٹکے دیے اور فرمایا کہ یہ تو کیا کر رہا ہے۔ تجھے اس گھر کا زیادہ حقدار کس نے بنا دیا؟ لوگ قریب وبعید سے اس گھر کی زیارت کے لیے آئے ہیں، تو ان کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو رہا ہے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

سَوَاءَ نِ العَاكِفُ فِيۡهِ وَ البَادِ o (سورۂ حج:۲۲/۲۵)

اس میں سب برابر ہیں۔ اس میں رہنے والا بھی اور باہر رہنے والا بھی۔

خلیفہ حیرت زدہ رہ گیا؛ کیوں وہ عبداللہ بن مرزوق کی شخصیت سے واقف تھا۔ پھر بھی اس نے پوچھا کہ کیا تو عبداللہ بن مرزوق ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔

خلیفہ اس جرأت اور صاف گوئی پر بہت زیادہ برافروختہ ہوا اور انھیں گرفتار کرا کے بغداد لے گیا۔ ابن مرزوق کی یہ جرأت خلیفہ کے نزدیک انتہائی عبرت انگیز سزا کی مستحق تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ انھیں کوئی ایسی سزا دی جائے کہ جس سے عوام میں ان کی رسوائی ہو۔ سب سے بہتر صورت اسے یہ نظر آئی کہ انھیں گھوڑوں کے اصطبل میں قید کر دیا جائے؛ تا کہ یہ بے عقل اور سرکش جانور انھیں اپنے پیروں سے روند ڈالیں۔

چنانچہ ایک بدمزاج اور کٹکھنا گھوڑا ان کے قریب باندھ دیا گیا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑوں میں سختی کی بجائے نرمی اور سرکشی کی بجائے اطاعت گزاری پیدا کر دی۔ وہ

اس حالت میں باہر نکلے کہ گھوڑوں نے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

اس تدبیر میں ناکامی کے بعد خلیفہ نے انھیں ایک تنگ وتاریک کوٹھری میں قید کردیا اور دروازہ میں تالا ڈال کر چابی اپنے پاس رکھ لی۔

تین روز کے بعد آپ کو ملحقہ باغ میں گھومتے ہوئے اور سبزیاں کھاتے ہوئے دیکھا گیا۔ باغ بانوں نے قیدی کے فرار کی اطلاع مہدی کو دی، وہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ جس کوٹھری میں انھیں قید کیا تھا وہ یوں ہی بند ہے اور اس سے نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں ہے۔

خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ تمھیں اس کوٹھری سے کس نے نکالا؟۔ انھوں نے جواب دیا: جس نے قید کیا تھا۔ پوچھا: کس نے قید کیا تھا؟۔ فرمایا: جس نے آزاد کیا۔

خلیفہ ان جوابات پر بہت مشتعل ہوا اور چیخ کر کہنے لگا کہ ابن مرزوق! کیا تجھے موت سے ڈر نہیں لگتا کہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ انھوں نے جواب دیا: میں ضرور ڈرتا اگر موت وحیات کے فیصلے تیری مرضی کے پابند ہوتے۔

اس واقعے کے بعد آپ مہدی کی وفات تک قید رہے۔ مہدی کے جانشینوں نے انھیں آزاد کیا۔ قید کے دوران آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آزادی عطا کردی تو میں اس کی راہ میں سو اونٹ قربان کروں گا؛ چنانچہ مکہ معظّمہ پہنچ کر آپ نے یہ نذر پوری کی۔ (۱)

حق گوئی و بے باکی

حضرت سفیان ثوری روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ مہدی نے ۱۶۶ھ میں حج کیا۔ مجھے اس وقت کا منظر اچھی طرح یاد ہے جب وہ طواف کر رہا تھا اور اس کے خدام اِدھر اُدھر

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/ ۳۱۶۔

کھڑے ہوئے لوگوں پر کوڑے برسا رہے تھے۔

میں نے اس سے کہا: اے خوب رو جوان! ہم سے ایمن نے بیان کیا، انھوں نے وائل سے، اور وائل نے قدامہ بن عبداللہ الکلابی سے روایت کیا کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نحر کے دن اونٹ پر سوار ہیں، جمرہ پر کنکریاں مار رہے ہیں، نہ کوئی شخص لوگوں پر کوڑے برسا رہا تھا، نہ انھیں ادھر ادھر ہٹا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جگہ بنا رہا تھا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) اور ایک تم ہو کہ لوگ دائیں بائیں کھڑے پٹ رہے ہیں اور تم طواف کر رہے ہو۔

خلیفہ مہدی نے کسی سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے جو مجھ سے اس طرح مخاطب ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ یہ سفیان ثوری ہیں۔ خلیفہ نے مجھ سے کہا کہ اگر آج میری جگہ خلیفہ منصور ہوتے تو تمھیں لب ہلانے کی بھی جرأت نہ ہوتی!۔

میں نے کہا کہ اگر میں تجھے یہ بتلا دوں کہ منصور نے اپنے کیے کی سزا پائی تو شاید تو بھی ان کی حرکتوں سے باز آ جائے جن میں تو مشغول ہے۔ یہ کہہ کر میں ایک طرف ہٹ گیا۔

کسی نے خلیفہ سے کہا کہ آپ نے سنا نہیں وہ بڑے میاں آپ کو امیر المومنین کی بجائے خوبرو جوان کہہ رہے تھے۔

خلیفہ نے حکم دیا کہ سفیان ثوری کو دوبارہ بلایا جائے۔ لوگ میری تلاش میں دوڑے؛ مگر میں ان کی پہنچ سے دور نکل چکا تھا؛ لہٰذا ڈھونڈنے والے ناکام ونامراد واپس لوٹ گئے۔ (۱)

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۷/۳۱۷۔

حاشیہ: میری سمجھ سے یہ روایت حضرت سفیان ثوری کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ سے مروی ہوگی؛ کیوں کہ حضرت سفیان ثوری ۱۶۱ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اور یہ واقعہ ۱۶۶ھ میں پیش آیا۔ یا پھر سال درج کرنے میں تسامح ہوا ہو۔ حقیقت کیا ہے صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو معلوم ہے۔ -چریاکوٹی-

اپنے کیے پر شرمساری

حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ (م ۱۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو حج کے دنوں میں طوافِ خانۂ کعبہ کرتے ہوئے دیکھا۔لوگ دعائیں مانگ رہے تھے مگر اس کے لب خاموش تھے۔ میں نے پوچھا: تم دعا میں شریک کیوں نہیں ہوتے اور اپنی مہرِ سکوت کیوں نہیں توڑتے؟۔

اس نے جواب دیا: میں وحشت میں مبتلا ہوں؛ کیوں کہ میرا وقت فوت ہوگیا ہے اور اب دعا کی کوئی صورت نہیں۔

میں نے کہا: دعا کر، اللہ نے چاہا تو اس اجتماع کی برکت سے تیری مراد بر آئے گی۔ اس نے چاہا کہ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے؛ مگر بے اختیار اس نے ایک آہ بھری اور وہیں گر کر جاں بحق ہوگیا۔(۱)

قربان ترے حج پر

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴ھ) وقت کے ایک عظیم بزرگ ہوئے ہیں۔ پیشہ کے اعتبار سے آپ موچی تھے، جوتوں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ایک سال آپ نے وفد کی شکل میں لوگوں کے ساتھ حج بیت اللہ کا پروگرام بنایا۔سارے پیسے اِکٹھے ہوگئے، تیاریاں مکمل ہوگئیں اور روانگی کا وقت آن پڑا۔

ایک دن آپ کسی کام سے جنگل میں گئے تو دیکھا کہ کوئی عورت اپنی برقعے میں کوئی چیز چھپائے لیے جارہی ہے۔آپ کو تشویش لاحق ہوئی کہ اور آپ نے دور سے اس کا

---

(۱) کشف المحجوب مترجمہ علامہ فضل الدین گوہر: ۴۵۰۔

تعاقب کیا۔ اب وہ عورت دائیں بائیں دیکھ کر کہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا ہے جنگل میں پڑے ایک مردار جانور کے پاس جا کر کھڑی ہوئی، برقعے سے چھری نکالا اور اس کا کوئی عضو کاٹ کر پھر برقعہ میں چھپائے ہوئے سوئے منزل روانہ ہوگئی۔

حضرت شقیق بلخی اس کا پیچھا کرتے رہے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟۔شام ہو چکی تھی۔ اس عورت نے گھر پہنچ کر اسے ہانڈی میں پکانا شروع کر دیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ مردار کا گوشت پکا کر اپنے یتیم بچوں کا کئی دنوں سے خالی پیٹ بھر رہی ہے، اور وہ خود بیوہ تھی۔

چوں کہ اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا اور اس کے پاس آمدنی کے وسائل بھی نہیں تھے تو اپنی عزت نفس بچانے کے لیے کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی بجائے مردار کے گوشت سے وہ اپنے بچوں کی زندگی کی ضمانت فراہم کر رہی تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت شقیق بلخی لرزہ براندام ہوگئے اور آنکھوں میں درد کے آنسو لیے گھر پہنچے، ساری رات بے قراری کے عالم میں بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ صبح اُٹھ کر حج کمیٹی کے خزانچی کے پاس گئے جہاں آپ نے حج کے پیسے جمع کرا رکھے تھے، اور اپنے سارے پیسے واپس لے لیے۔

اپنا گریبان پکڑ کر جھنجوڑا اور کہا کہ شقیق! تیرے پڑوس میں بیوہ اور یتیم بچے بھوک کے باعث مردار کھانے پر مجبور ہیں اور تو پیسے جمع کر کے حج کرتا پھرتا ہے، ایسا حج خدا کی بارگاہ میں کب قبول ہوگا؟؛ چنانچہ آپ نے حج کا پروگرام ملتوی کر دیا اور رات ہوئی تو حج کی وہ ساری رقم لے جا کر اس بیوہ کے سپرد کر دیا اور یہ تک نہ بتایا کہ میں کون ہوں۔

اب جب حج کے لیے روانگی کا وقت آیا اور آپ نہ جا سکے تو لوگوں نے طعنہ دینا شروع کر دیا کہ کاروبار بڑھانے کے لیے اس نے جوتے خرید لیے ہوں گے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ بدبخت ہے خدا کی بارگاہ کی حاضری اس کے نصیب میں تھی ہی نہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ

نصیب والے اللہ ورسول کا گھر اور در دیکھتے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اُتنی بات، مگر آپ نے کسی کے طعنہ کا جواب نہ دیا اور خندہ پیشانی کے ساتھ سب کی بکواسیں سنتے رہے۔

قافلہ حج نکل پڑا، لوگ مکہ پہنچے اور حج ادا کرلیا۔ ایام حج کے بعد ایک ولی اللہ خانۂ کعبہ کا طواف کررہے تھے، اسی میں نیند نے ان پر غلبہ کیا اور آپ لیٹ گئے۔ خواب میں کیا دیکھ رہے ہیں کہ دو فرشتے آپس میں گفتگو کررہے ہیں۔ پہلا فرشتہ دوسرے سے پوچھ رہا ہے: اس سال کتنے لوگوں نے حج کیا؟۔

فرشتے نے جواب دیا: کوئی نو دس لاکھ کے قریب افراد نے اس سال حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔

پوچھا: یہ بتائیں کہ ان نو دس لاکھ افراد میں سے کتنے خوش نصیبوں کا حج قبول ہوا، اور کتنوں کا رد کردیا گیا؟۔

کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سارے کے ساروں کا حج قبول کرلیا۔

فرشتے نے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟۔

دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ دراصل بلخ میں شقیق نامی ایک بزرگ ہیں، جو حج پر تو نہ آسکے مگر گھر بیٹھے ہی انھیں حج کا وہ اجر عطا ہوا کہ ان کے حج کے تصدق ساروں کا حج شرفِ قبولیت سے ہمکنار کردیا گیا ہے۔

اتنا ہی سن پائے تھے کہ اس ولی اللہ کی آنکھ کھل گئی۔ اور آپ سیدھے اس بزرگ کی زیارت کے لیے بلخ پہنچ گئے۔ شہر میں آکر پوچھا کہ یہاں شقیق نام کے ایک بہت بڑے بزرگ ہیں وہ کہاں رہتے ہیں، میں ان کی زیارت کے لیے آیا ہوا ہوں۔

ولی اللہ کی یہ بات سن کر لوگوں نے ہنسنا شروع کردیا اور کہا کہ اللہ کے بندے! وہ بزرگ کہاں ہے، وہ تو ایسا بدبخت ہے کہ اسے حج کی سعادت بھی نصیب نہ ہوسکی۔

انھوں نے کہا: کوئی بات نہیں، گرچہ انھیں حج کی سعادت نصیب نہیں ہوئی؛ مگر میں اس کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ بالآخر وہ ان کی خدمت میں پہنچے اور خوش خبری سنائی، سنتے ہی حضرت شقیق بلخی میں خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے۔

بلاشبہہ عمل کا دارومدار نیتوں پر ہوا کرتا ہے۔ دیکھئے کہ بظاہر حج کا عمل اپنے اتمام کو نہیں پہنچ سکا مگر اللہ کی مخلوق کے لیے رات کے اندھیرے میں ان کا خرچ کیا ہوا یہ پیسا نہ صرف ان کو بلکہ نو لاکھ افراد کو حج مقبول کرا جر عطا کر گیا۔(۱)

بڑوں کی بڑی باتیں

حضرت موسیٰ بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما (م۱۸۳ھ) کے حوالے سے ایک ایسا ایمان افروز واقعہ ملتا ہے جس سے ان کی خدا آگاہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت شقیق بلخی فرماتے ہیں کہ ۱۴۹ھ میں میں بلخ سے حج بیت اللہ کے اِرادے سے نکلا۔ جب مقام قادسیہ پہنچا تو دیکھا کہ لوگ نہ معلوم کیسی کیسی زیب وزینت کی چیزوں سے آراستہ وپیراستہ ہیں۔

اتنے میں نظر ایک خوبصورت جوان پر جا کر ٹک گئی، اس کے گندمی رنگ میں ایسی نورانیت تھی کہ نظریں اس کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ اس نے اون کا لباس زیبِ تن کر رکھا تھا، سر پر عمامہ، اوپر سے اونی شال اوڑھے، پیروں میں جوتیاں پہنے، سب سے الگ تھلگ ایک جانب بیٹھا ہوا تھا۔

---

(۱) **حاشیہ**: عموماً لوگ انھیں شفیق بلخی کہتے ہیں، حالاں کہ بلخ میں شفیق نام کا کوئی مشہور بزرگ نہیں ہوا بلکہ میرے خیال میں اس سے یہی مراد ہوتے ہیں۔ اصلاً ان کا نام شقیق ہے۔ ایسا لگتا ہے کبھی کتاب میں Misprinting کے باعث قاف سے ایک نقطہ مٹ گیا، اور طبع در طبع نے عوام میں انھیں شفیق کے نام سے متعارف کرادیا۔ واللہ اعلم بالصواب -چریاکوٹی-

یہ خیال آتے ہی میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس کی نگرانی کروں گا اور اسے ملامت کروں گا کہ اس طرح کا بناوٹی انداز درست نہیں۔ چنانچہ میں اس نوجوان کے قریب گیا، جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا تو وہ میری طرف پوری طرح متوجہ ہوا اور میرا نام لے کر کہتا ہے: اے شقیق!

اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ o (سورۂ حجرات:۱۲/۴۹)

اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بے شک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے)۔

اتنا کہنے کے بعد وہ پراَسرار نوجوان مجھے وہیں چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ میرے دل میں ندامت ہوئی کہ یہ تو کوئی بندۂ صالح معلوم ہوتا ہے اور میں نے اس کے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رکھا ہے، اور پھر اسے میری دل کی بات پر بھی اطلاع ہو گئی۔ مجھے اس کی فیض صحبت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کے ساتھ رہ کر کچھ سیکھنا چاہیے؛ چنانچہ یہ سوچ کر میں اس کے پیچھے دوڑا، مگر وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور تلاشِ بسیار کے باوجود میں اسے پانے میں ناکام رہا۔

حاجیوں کا قافلہ وہاں سے روانہ ہو کر جب مقام 'واقصہ' میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان ایک گوشے میں نماز اَدا کر رہا ہے، اس کا پورا بدن تھر تھر کانپ رہا ہے، اور آنکھیں سیلاب بنی ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا: اب اس کا ساتھ نہیں چھوڑنا، اچھا موقع ہے چنانچہ وہیں بیٹھ کر نماز سے اس کی فراغت کا انتظار کرنے لگا، جب وہ فارغ ہوا تو قبل اس کے کہ میں اس کی طرف متوجہ ہوتا وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے شقیق! اس آیت کی تلاوت کرو:

وَ إِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدَى o (سورۂ طہٰ:۸۲/۲۰)

اور بے شک میں بہت زیادہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا پھر ہدایت پر (قائم) رہا۔

اتنا کہہ کے پھر مجھے تنہا چھوڑ کر وہ اپنی راہ لیتا بنا۔ میں نے جی میں کہا: ہو نہ ہو یہ کوئی اَبدالوں میں سے لگتا ہے؛ کیوں کہ یہ دو مرتبہ میرے رازوں پر آگاہی پا چکا ہے، اب میں اس نوجوان سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا تھا۔

پھر جب ہم مقام رمال پہنچے۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان ہاتھ میں چمڑے کا ایک تھیلا لیے ایک کنوے کے پاس کھڑا ہے، اور پانی نکالنا چاہتا ہے۔ پانی نکالنے کی کوشش کرتے کرتے وہ تھیلا کنوے کے اندر گر گیا۔ میں یہ سب کچھ مشاہدہ کر رہا تھا۔ اتنے میں میں نے آسمان پر بجلی کی ایک چمک دیکھی، اور اس نوجوان کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ۔

أنت ربي إذا ظمئت من الما ء و قوتي إذا أردت الطعاما

یعنی مولا! وہ تو ہی ہے کہ جب میں پیاسا ہوا تو تو نے میری خشک حلق کو پانی سے تر کیا، اور جب بھوک لگی تو کھانے کا انتظام فرمایا۔

اے پروردگار! اس بھری دنیا میں میرا تیرے سوا کوئی نہیں، لہٰذا مجھے غیر کی ٹھوکر پر نہ ڈالنا اور مجھے برباد ہونے سے بچالینا۔

حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ جوان ابھی اتنا ہی کہنے پایا کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ کنوے کا پانی جوش مارتا ہوا اُمڈ کر منڈیر تک آ گیا، نوجوان نے ہاتھ بڑھا کر اپنا تھیلا اُٹھایا، اسے پانی سے بھرلیا، اور کنوئیں کا پانی واپس نیچے چلا گیا۔

نوجوان نے وضو کیا اور چار رکعت نماز اَدا کی، نماز سے فراغت کے بعد وہ ایک ریتیلے ٹیلے پر چڑھا، میں بھی چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا، وہاں جا کر اس نے ریت اُٹھائی اور اس تھیلے میں ڈالنے لگا، پھر تھیلے کو ہلایا اور اس میں موجود ریت ملے ہوئے پانی کو پینے لگا۔

یہ سب کچھ دیکھ کر میں اس کے پاس آیا، اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، میں نے کہا: اے نیک سیرت نوجوان! اللہ نے آپ پر جو کچھ انعام کیا اس سے مجھے بھی کچھ حصہ عطا فرمائیں۔

یہ سن کر اس نوجوان نے کہا: اے شقیق! اللہ جل مجدہ اپنے بندوں پر ہر وقت فضل وکرم فرماتا رہتا ہے، کوئی آن ایسی نہیں گزرتی جس میں وہ پاک پروردگار اپنے بندوں پر نعمتیں نازل نہ فرماتا ہو؛ لہٰذا اے شقیق! اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔

اتنا کہنے کے بعد اس نوجوان نے وہ چمڑے کا تھیلا میری طرف بڑھایا۔ جب میں نے اس میں سے پیا تو اسے شکر اور خالص ستو ملا ہوا ایک بہترین مشروب پایا، اور وہ اتنا لذیذ تھا کہ قسم بخدا! ایسا من پسند اور خوشبودار مشروب میں نے کبھی زندگی میں نہیں پیا تھا؛ اس لیے میں نے خوب جی بھر سیرابی حاصل کی، اور اس کی برکت سے کئی دنوں تک کھانے پینے کی کوئی خواہش نہیں ہوئی۔ پھر وہ میری نگاہوں سے روپوش ہوگیا۔

جب ہم مکہ پہنچے، تو ایک شب میں نے آدھی رات کو اسے قبہ چاہِ زمزم کے پاس دیکھا کہ کامل خشوع، رقت قلب اور چشم اشک بار کے ساتھ وہ مصروفِ نماز ہے، اور وہ اپنی عبادت گزاری میں ایسا جٹا رہا کہ کاروانِ شب گزر گیا اور وہ یوں ہی یادِ مولا میں مگن رہا۔

جب سپیدۂ سحر طلوع ہوا تو اپنی جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگا، پھر اُٹھا اور نماز فجر اَدا کرنے کے بعد خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف ہوگیا، سات چکر لگانے کے بعد وہ صحن کعبہ سے باہر جانے لگا، میں اس کے پیچھے لگ گیا، لیکن اب اس کی حالت اس سے بالکل سوا تھی جو میں نے راہ میں دیکھی تھی؛ کیوں کہ اب اس کے اِرد گرد اہل عقیدت کا ہجوم تھا، خدم وحشم نیازمندی میں لگے ہوئے تھے، اور لوگ جوق در جوق اس کی دست بوسی کر رہے تھے۔ اس کی بدلی ہوئی یہ حالت دیکھ کر میں حیران وسراسیمہ کھڑا تھا۔

خانۂ خدا میں اس کی یہ جاہ وحشمت دیکھ کر میں نے اس کے قریبی ایک آدمی سے

پوچھا کہ یہ صالح نوجوان کون ہے؟۔ جواب ملا: یہ حضرت امام موسیٰ بن جعفر صادق بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

حضرت شقیق بلخی کہتے ہیں: یہ سن کر میں نے کہا کہ تبھی تو ایسے ایسے خوارقِ عادات دیکھنے میں آئے، اور اِن ساداتِ کرام ہی سے ایسے عجیب وغریب اُمور کی توقع کی جاسکتی ہے، اور انھیں لوگوں کو ایسی کرامتیں اور سعادتیں زیبا ہیں۔(۱)

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نورنور
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

اور ہارونُ الرشید تصویرِ حیرت بنارہ گیا

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید (م۱۹۳ھ) حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظّمہ پہنچا، جس وقت اس نے طوافِ خانۂ کعبہ کا اِرادہ کیا، تو سارے حجاج طواف سے روک دیے گئے۔ ایک اعرابی آگے بڑھا اور اس نے ہارون الرشید کی معیت میں طواف کرنا شروع کردیا۔ ہارون کے لیے یہ بات بڑی ناگوارِ خاطر ہوئی۔

دربان نے غضب ناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: اے اعرابی! تمھیں پتا نہیں کہ امیر المومنین ہارون الرشید چوں کہ طواف کا اِرادہ رکھتے ہیں اس لیے سارا مطاف خالی کرادیا گیا ہے!۔

اعرابی نے کہا: تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں ہر بشر برابر ہے، اللہ کے اس گھر میں کسی کا کوئی بھید بھاؤ نہیں، وہ چاہے بادشاہِ وقت ہو یا کوئی مفلس وقلاش' ہر کسی کو طواف کرنے کا یہاں یکساں حق حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/۲۱۸......روض الریاحین:۱۲۲تا۱۲۳۔

الَّـذِي جَـعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً نِ الـعَـاكِفُ فِيْهِ وَالبَادِ وَ مَنْ يُّرِدُ فِيْهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ٥ (سورۂ حج:۲۲/۲۵)

جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے یکساں بنایا ہے اس میں وہاں کے باسی اور پردیسی (میں کوئی فرق نہیں) اور جو شخص اس میں ناحق طریقہ سے کج روی (یعنی مقررہ حدود وحقوق کی خلاف ورزی) کا اِرادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

ہارون الرشید نے جب اعرابی کی زبان سے یہ بات سنی تو دربان سے کہا کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ پھر ہارون الرشید حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا؛ مگر اس سے پہلے اعرابی نے لپک کر سنگ اَسود کو چوم لیا۔ تکمیل طواف کے بعد قبل اس کے کہ ہارون الرشید مقام ابراہیم پر پہنچ کر دو رکعت نفل ادا کرتا وہ اعرابی اس سے پہلے ہی نماز واجب الطّواف پڑھ چکا تھا۔

ہارون الرشید نے دربان سے کہا کہ اس اعرابی کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ دربان نے آکر جب ہارون الرشید کا پیغام سنایا تو اعرابی کہنے لگا: مجھے امیر المومنین سے کوئی سروکار نہیں، میں ان کے پاس کیوں جاؤں، اگر وہ میرے ضرورت مند ہیں تو انھیں چل کر خود میرے پاس آنا چاہیے۔

دربان غصے میں لال پیلا ہوتے ہوئے لوٹ گیا اور ہارون الرشید کے سامنے ساری باتیں رکھ دیں۔ ہارون نے کہا کہ اس نے بالکل سچ کہا، اصلاً ہمیں ہی اس کے پاس جانا چاہیے تھا۔ یہ کہہ کر ہارون الرشید دربان کے ساتھ چل پڑا۔ اعرابی کے پاس پہنچ کر ہارون الرشید نے بڑھ کر سلام کیا، اعرابی نے اس کا جواب دیا۔

اب ہارون الرشید اس سے عرض کرتا ہے اے میرے عربی بھائی! اجازت دیں تو کچھ دیر آپ کی صحبت میں بیٹھ لیں۔ اعرابی نے کہا: نہ تو یہ گھر میرا گھر ہے اور نہ یہ حرم ہی

میرا حرم ہے۔ گھر اللہ کا ہے اور حرم بھی اسی کا ہے، اور اس مقام پر ہم سب برابر ہیں، سو چاہیں تو آپ بیٹھ جائیں چاہیں تو لوٹ جائیں۔

اعرابی کی بات کا ہارون الرشید کے دل پر بڑا گہرا اَثر ہوا؛ کیوں کہ اسے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی، اور وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

اب ہارون الرشید اس کے پہلو میں بیٹھ کر کہتا ہے اے اعرابی! مجھے اپنے فرائض سے آگاہ فرمائیں۔ اعرابی نے کہا: اگر واقعی آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں پھر ایک طالب علم کی مانند نیازمندانہ بیٹھ کر پوچھیں۔

یہ سن کر ہارون الرشید اعرابی کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔ اعرابی نے کہا: اب آپ کے جی میں جو آئے پوچھ لیں۔

ہارون الرشید: یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیا فرض عائد کیا ہے؟۔

اعرابی: آپ کس فرض کی بات پوچھ رہے ہیں؟ کیا ایک فرض کی...... یا پانچ فرضوں کی...... یا سترہ فرائض کی...... یا چونتیس فرضوں کی...... یا چورانوے فرضوں کی...... یا چالیس میں سے ایک فرض کی...... یا پوری زندگی کے ایک فرض کی...... یا دوسو میں سے پانچ فرضوں کی۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہارون الرشید بطورِ مزاح ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ میں نے تو آپ سے ایک فرض کی بابت استفسار کیا تھا مگر آپ نے پوری زندگی کا حساب کھول کر رکھ دیا۔

اعرابی نے کہا: اے ہارون! اگر دین کے اندر حساب کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو اللہ جل مجدہ قیامت کے دن بندوں سے کوئی حساب نہ لیتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

فَلاَ تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَّ إِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَ كَفىٰ بِنَا حَاسِبِيْنَ ○ (سورۂ انبیاء:۲۱/۴۷)

سو کسی جان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا (تو) ہم اسے (بھی) حاضر کر دیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

یہ سن کر امیر المومنین ہارون الرشید کا چہرہ غصے سے تمتما اُٹھا، اور اُس وقت اس کی کیفیت دیدنی تھی جب اعرابی نے ''یا امیر المومنین'' کہنے کی بجائے اسے ''یا ہارون'' کہہ کے مخاطب کیا۔

وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اعرابی کو اس کے غیظ وغضب سے محفوظ رکھا اور یہ سوچ کر ہارون الرشید کی عقل بھی لوٹ آئی کہ اسے ایسا کہنے کی جرأت بھی اللہ جل مجدہ نے بخشی تھی۔

پھر ہارون الرشید نے کہا: مجھے اپنے آباؤ اَجداد کیعظمت کی قسم! اگر تم نے اپنی مجمل باتوں کی وضاحت نہ کی تو میں صفا و مروہ کے درمیان تمہاری گردن مروا دوں گا۔

دربان نے گزارش کی: اے امیر المومنین! اسے معاف فرما دیں اور اس مقدس مقام کی حرمت کے طفیل اسے اللہ واسطے چھوڑ دیں۔ اعرابی ان دونوں کی باتیں سن کر بے ساختہ ہنس پڑا۔

ہارون الرشید نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں ہنسنے پر مجبور کیا؟۔

اس نے کہا: دراصل مجھے تم لوگوں کی باتوں پر تعجب ہو رہا ہے؛ کیوں کہ ایک تو یقینی موت کو بخشوانا چاہتا ہے جب کہ دوسرا اُس موت کے لانے میں جلدی کر رہا ہے جس کا وقت نہیں آیا۔

جب ہارون الرشید نے اس کی یہ بات سنی تو دنیا اس کی نگاہوں میں حقیر معلوم ہونے لگی، اور وہ کہنے لگا: میں نے تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے اس لیے برائے کرم تم اپنی باتوں کی وضاحت کر دو؛ کیوں کہ میرا پیمانۂ شوق وصبر لبریز ہوا جاتا ہے اور میں تیری تفسیر سننے کے لیے بے چین ہوں۔

اعرابی نے کہا: جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا فرض عائد کیا ہے تو سن لیں کہ اللہ نے مجھ پر بہت سے فرائض عائد کیے ہیں۔ میں نے جو آپ سے ایک فرض کی بات کی تھی تو دراصل اس سے میری مراد دین اسلام ہے...... پانچ فرائض کا مطلب پنج وقتہ نمازیں ہیں...... سترہ فرائض سے مراد شب وروز میں کل سترہ فرض رکعتیں ہیں...... چونتیس فرائض سے مراد چونتیس سجدے ہیں...... چورانوے فرائض سے مراد ان نماز کی تکبیرات ہیں...... چالیس میں سے ایک فرض سے مراد چالیس دینار میں سے ایک دینار کی زکوٰۃ ہے...... پوری زندگی میں ایک فرض سے مراد حج بیت اللہ شریف ہے...... دوسو میں سے پانچ سے مراد' دوسو درہم میں سے پانچ درہم کی زکوٰۃ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر نفیس سن کر ہارون الرشید کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، اعرابی کی یہ باتیں اس کے شعور کی تہوں میں گھس چکی تھیں اور اس کی علمی عظمت وجلالت کا سکہ ہارون الرشید کے دل پر بیٹھ چکا تھا۔

اعرابی ہارون الرشید سے کہتا ہے: آپ نے چوں کہ سوال کیا تھا سو میں نے جواب دے دیا۔ اب میرے ایک سوال کو آپ حل فرمائیں۔ ہارون الرشید نے کہا: پوچھیں کیا پوچھتے ہیں؟ اعرابی نے کہا: مومنوں کا اَمیر اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جس پر صبح کے وقت ایک کو دیکھنا حرام ہو لیکن جب ظہر ہو تو وہ عورت اس پر حلال ہو جائے اور جب عصر ہو تو پھر حرام ہو جائے، جب مغرب ہو تو حلال ہو جائے اور عشا کے وقت پھر حرام ہو جائے اور فجر کے وقت پھر حلال۔ اسی طرح ظہر کے وقت حرام، عصر کے وقت حلال، مغرب کے وقت حرام اور عشا کے وقت پھر حلال ہو جائے؟۔

اعرابی کا سوال سن کر ہارون الرشید کے اوسان خطا کر گئے اور کہنے لگا کہ تمہارے سوال نے مجھے ایسے سمندر میں ڈال رکھا ہے جس سے تمہارے علاوہ کوئی اور مجھے نہیں نکال سکتا۔

اعرابی کہتا ہے کہ آپ امیر المومنین اور قوم میں سب سے بڑے ہیں۔ آپ کو کسی بات میں لاجواب نہیں ہونا چاہیے، پھر میرے سوال سے کیسے عاجز آ گئے ہیں!۔

یہ سن کر ہارون الرشید کہہ پڑا کہ بے شک آپ علم وفضل کے اعتبار سے بہت عظیم ہیں؛ اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ میری عظمت اور اس مقدس گھر کی رفعت کا خیال رکھتے ہوئے خود ہی اپنے سوال کا جواب مرحمت فرمائیں۔

اعرابی نے کہا: آپ کا حکم سرآنکھوں پر، میں بصد شوق بیان کیے دیتا ہوں۔ میں نے ایک شخص کے متعلق سوال کیا کہ اس کا صبح کے وقت ایک عورت کو دیکھنا حرام ہے تو یہ وہ ہے جو کسی غیر کی لونڈی کو دیکھے کہ یہ لونڈی اس پر حرام ہے، اور جب ظہر ہو تو اس کو خرید لے، اب وہ اس کے لیے حلال ہوگئی، لیکن جب عصر ہو تو آزاد کردے، اب وہ اس پر حرام ہوگئی۔ لیکن جب مغرب ہو تو اس سے نکاح کرلے تو وہ پھر اس پر حلال ہوگئی۔ جب عشا ہو تو طلاق دے دے، اب پھر وہ حرام ہوگئی لیکن جب فجر ہو تو رجوع کرلے اب وہ دوبارہ حلال ہوگئی۔ جب ظہر ہو تو وہ شخص اسلام سے پھر جائے تو وہ اس پر حرام ہوگئی لیکن جب عصر ہو تو توبہ کرکے عورت سے رجوع کرلے تو وہ اس کے لیے حلال ہوگئی۔ جب مغرب ہو تو عورت مرتد ہو جائے تو وہ اس پر حرام ہوگئی لیکن جب عشا ہو تو توبہ کرکے رجوع کرلے تو پھر حلال ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہارون الرشید ورطہ حیرت میں پڑ گیا اور اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ فرطِ مسرت میں اسے دس ہزار درہم پیش کرنا چاہا؛ مگر اعرابی نے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، جو مستحقین ہیں ان کے حوالے کردیں۔

ہارون الرشید نے پوچھا: تو کیا آپ چاہیں گے کہ میں آپ کے لیے کچھ وظیفہ متعین کردوں جو آپ کو پوری زندگی ملتا رہے۔ اعرابی نے کہا: جو ذات آپ کو رزق دے رہی ہے، وہی میرے رزق کی بھی ضامن ہے؛ سو آپ اس کے لیے فکرمند نہ ہوں۔

ہارون الرشید نے کہا: اگر آپ کے اوپر کچھ قرض ہو تو ہم اَدا کر دیں، لیکن اعرابی نے اس سے کچھ بھی قبول نہ کیا، اور اس کے سامنے کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے :

هب الـدنيا تواتينـا سنينا ☆ فتكدر تـارة و تلـذ حينا

فما أرضى بشيء ليس يبقى ☆ و أتـركـه غـدا للـوارثينا

كأني بالتراب علي يحثى ☆ وبالإخوان حولي نائحينا

و يـوم تزفر النيـران فيه ☆ و تقسم جهرة للسامعينا

وعزة خالقي وجلال ربي ☆ لأنتقمن منـكم أجمعينا

یعنی دنیا کے عطیات کئی سالوں سے لگاتار ہمارے پاس آرہے ہیں کبھی تو میلے کچیلے ہوتے ہیں اور کبھی لذت بخش؛ لیکن میں ان میں سے کسی بھی ایسی شے کو قبول کرنے کو تیار نہیں جو میرے مرنے کے بعد باقی نہ رہے اور میں کل اسے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جاؤں۔ گویا قبر میں مجھ پر مٹی ڈالی جارہی ہے اور میرے دوست آشنا میرے اردگرد کھڑے نوحہ کناں ہیں۔ اور گویا وہ دن آچکا ہے جس میں آگ کے شعلے بھڑک کر لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں اور وہ دن سننے والوں کو قسم دے رہا ہے کہ میرے رب کی عزت وجلال کی قسم! میں تم سب سے ضرور انتقام لوں گا۔

جب اعرابی اشعار سنا چکا تو ہارون الرشید نے افسوس ناک آہ کھینچتے ہوئے اس سے اس کا نام ونسب اور قبیلہ ووطن کی بابت استفسار کرنے لگا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ رضا بن جعفر صادق بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔ دیہاتیوں کے لباس میں ملبوس رہتے ہیں؛ مگر زہد وورع کے پیکر ہیں۔ یہ سن کر ہارون الرشید کھڑا ہو گیا اور اس نے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسے دیے۔ اور پھر (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے) یہ آیت مبارکہ پڑھی :

اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۝ (سورۂ انعام:۱۲۴)

اللہ خوب جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کا محل کسے بنانا ہے!۔(۱)

دل سے جو بات نکلتی ہے....

حضرت فضل بن ربیع علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید کے ساتھ میرا مکہ معظّمہ جانا ہوا۔ خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران خلیفہ نے مجھ سے کچھ پوچھنا چاہا مگر پوچھ نہ سکا۔ بعد میں جب ہم نے حج کے جملہ ارکان ومناسک مکمل کر لیے، تو ایک روز مجھ سے پوچھتا ہے: یہاں کوئی مردِ حق ہے جس کی میں زیارت کرسکوں؟۔

میں نے کہا: ہاں عبدالرزاق صغانی یہاں پر موجود ہیں۔

کہا: مجھے ان کے پاس لے چلو۔

ہم وہاں پہنچ گئے۔ کچھ دیر بیٹھ کر جب اُٹھنے لگے تو ہارون الرشید نے اشارہ سے کہا: پوچھو ان پر کوئی قرض ہے؟۔ معلوم ہوا قرض ہے، چنانچہ وہ چکا دیا گیا۔

باہر نکل کر خلیفہ نے کہا: میرا دل تاہنوز تشنہ ہے، کسی اور بڑے بزرگ سے ملنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا: سفیان بن عیینہ بھی ان دنوں یہیں ہیں۔

کہا: مجھے ان کے پاس لے چلو۔ وہاں بھی کچھ دیر بیٹھے۔ چلتے وقت خلیفہ نے پھر قرض سے متعلق دریافت کیا: قرض نکلا، وہ بھی ادا کر دیا گیا۔

خلیفہ نے کہا: میرا مقصود ابھی بھی حاصل نہیں ہوا، کسی اور کی بابت معلوم کرو۔

میں نے کہا: حضرت فضیل بن عیاض بھی یہاں موجود ہیں۔ ہم وہاں گئے۔ دیکھا تو

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۱۰۸تا۱۱۰۔

وہ ایک حجرے میں بیٹھے قرآن کریم کی تلاوت کررہے تھے۔ہم نے دروازہ پر دستک دی۔آواز آئی کون؟۔

میں نے کہا: امیرالمومنین ہارون الرشید تشریف لائے ہیں۔

جواب ملا: ہمیں خلیفہ وقت سے کیا لینا دینا؟۔

میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نہیں: ''کسی شخص کو طاعت حق میں ذلت طلب نہیں کرنی چاہیے۔

جواب ملا: ٹھیک ہے؛ مگر رضائے حق دائمی شان وشوکت کا باعث ہے۔تم مجھے ذلت میں دیکھتے ہو اور میں اپنے آپ کو رفیع المرتبت پاتا ہوں۔ یہ کہہ کر فضیل بن عیاض نیچے اُترے، چراغ گل کردیا اور خود ایک کونے میں کھڑے ہوگئے۔

ہارون الرشید اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹٹولتا رہا، آخر کار اس کا ہاتھ اُن تک پہنچ گیا۔ فضیل نے کہا: ایسا نرم وگداز ہاتھ میں نے کبھی نہیں دیکھا، کیا عجب کہ عذاب خداوندی سے بچ رہے۔

یہ سن کر ہارون الرشید رونے لگا اور اتنا رویا کہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو کہا: خدا واسطے مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔

فرمایا: تمہارے جدامجد یعنی حضرت عباس' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے، انھوں نے مختارِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اِمارت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: چچا! دنیوی حکومت کی بجائے میں آپ کو قلبی حکومت دیتا ہوں۔

اللہ جل مجدہ کی بندگی میں گزرا ہوا زندگی کا ایک لمحہ خلقت کی ہزار سالہ حکومت سے بہتر ہے۔امارت روزِ قیامت ندامت کا باعث ہوگی۔

ہارون الرشید نے کہا: کچھ اور فرمائیے۔

آپ نے فرمایا: جب عمر بن عبدالعزیز کو خلافت تفویض ہوئی، تو انھوں نے سالم بن عبداللہ، جابر بن حیوۃ اور محمد بن کعب رضی اللہ عنہم کو بلا کر کہا: کوئی تدبیر کیجیے امارت مصیبت ہے اور میں مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

ان میں سے ایک نے کہا: اگر عذاب خداوندی سے نجات درکار ہے تو بوڑھوں کو باپ، جوانوں کو بھائی اور چھوٹوں کو فرزند تصور کرو اور ان سے وہ سلوک روا رکھو جو گھر میں باپ، بھائی اور بیٹے سے روا رکھا جاتا ہے۔ سب ولایت تمہارا گھر ہے، اور اس کے باشندے کنبہ۔ باپ کی زیارت کرو، بھائی پر احسان کرو، اور فرزند سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

ہارون الرشید! مجھے خوف ہے تمہارا یہ خوبصورت جہنم کے آتش سوزاں کے سپرد نہ ہو۔ خداوند قدوس کی خشیت اختیار کرو اور اس کے حقوق بطریق احسن پورے کرو۔

ہارون نے پوچھا: آپ پر کوئی قرض ہو تو بتائیں۔

فرمایا: ہاں! قرض ہے اور وہ خدا کی طاعت کا قرض ہے، جسے تم نہیں چکا سکتے اور جس کے متعلق مجھے ہمیشہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں اس کی بابت میری گرفت نہ ہو۔

ہارون نے کہا: میرا مطلب مخلوق کا قرضہ ہے۔ فرمایا: اللہ نے مجھے اس کام کے لیے دنیا میں نہیں بھیجا کہ لوگوں سے قرض لیتا پھروں بلکہ اس نے اپنی طاعت و بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے، قرآن کریم میں وہ خود فرماتا ہے :

وَ مَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُونِ o مَا اُرِیدُ مِنْھُمْ مِنْ رِزْقٍ وَ مَا اُرِیدُ اَنْ یُّطْعِمُونِ o اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو القُوَّۃِ المَتِیْنُ o

(سورۂ ذاریات: ۵۱/۵۶ تا ۵۸)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔ نہ میں ان سے رِزق (یعنی کمائی) طلب کرتا ہوں اور نہ اس کا

طلب گار ہوں کہ وہ مجھے (کھانا) کھلائیں۔ بیشک اللہ ہی ہر ایک کا روزی رساں ہے، بڑی قوت والا ہے، زبردست مضبوط ہے (اسے کسی کی مدد و تعاون کی حاجت نہیں)۔

تو باری تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں جو اس کے بندوں سے بیان کروں۔

ہارون الرشید ہزار دینار کی ایک تھیلی ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوا کہ اسے قبول فرمائیں اور اپنے کام میں لائیں۔

فضیل بن عیاض نے فرمایا: افسوس! میری تمام نصیحت رائیگاں گئی۔ تو نے ظلم کا راستہ اختیار کیا اور مجھ پر بھی ظلم کو روا رکھا۔

ہارون نے پوچھا: میں نے کیا ظلم کیا؟۔

فرمایا: میں تجھے راہِ نجات دکھاتا ہوں اور تو مجھے چاہِ ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یہی ظلم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ہارون روتا ہوا باہر نکل آیا اور کہا: حقیقت میں فضیل بادشاہ اور مسلمانوں کے سردار ہیں۔(۱)

چار مقبول لڑکیاں

حضرت محمد بن مروان سدوسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خانۂ کعبہ میں رکن یمانی کے قریب طواف کرنے میں مشغول تھا کہ اچانک چار لڑکیوں کو آتے دیکھا، ان کے چہروں پر برگزیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ ان میں سے سب سے بڑی نے غلافِ کعبہ سے لپٹ کر عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

---

(۱) کشف المحجوب مترجمہ علامہ فضل الدین گوہر: ۱۷۵ تا ۱۷۶..... صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۳۳۔

إليک حجي لا للبيت و الحجر

و لا طواف بأركان و لا جـــدر

یعنی مولا! میرا حج تو صرف تیرے لیے ہے، نہ بیت اللہ شریف کا اور نہ حجر اسود کا۔ یوں ہی میرا طواف نہ تو (چاروں) ارکان کے لیے ہے اور نہ کعبہ کی دیواروں کے لیے۔

پھر اس نے اپنے سر کو بلند کر کے کہا :

اے پروردگار! تیری محبت نے مجھے مضطرب کر دیا ہے اور میں عشق و محبت میں وارفتہ ہوگئی ہوں۔ اسی وارفتگی شوق نے دور سے کھینچ کر مجھے تیری دہلیز پر لا کر ڈال دیا ہے۔

اے میرے مولا! اگر میری لغزشوں نے مجھے تیری بارگاہ سے لوٹا دیا تو مجھے میری محبت تیرے دروازے پر کھینچ لائے گی۔ اگر میرے گناہوں نے مجھے تیرے دروازے سے دور کر دیا تو تیرے عفو و کرم کی اُمید مجھے تیرے قریب کر دیگی، اگر میری خطاؤں نے مجھے قید کرا دیا تو تیری طرف رجوع میں میرا اخلاص مجھے آزاد کرا دے گا۔

اے مالک و مولا! مجھے تیرا وصال کب نصیب ہوگا، تیری بارگاہِ جمال تک کب پہنچوں گی؟۔

اے وحشت زدوں کے دوست، اے اہل محبت کے محبوب، اے خائفین کو پناہ دینے والے، اے گنہ گاروں پر رحم کرنے والے، اے تائبین کی توبہ قبول فرمانے والے، اور اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!! مجھ پر اپنی خاص رحمت کا نزول فرما اور میری مغفرت کا سامان کر۔

پھر اس نے لمبا سانس لیا اور چند اشعار پڑھے :

استغفر الله مما كان من زللي

و من ذنوبي و تفريطي و إصراري

يا رب هب لي ذنوبي يا كريم فقد

أمسكت حبل الرجاء يا خير غفار

یعنی میں اپنے گناہوں، لغزشوں، خطاؤں اور کوتاہیوں پر اصرار سے اللہ کی مغفرت و معافی کی خواستگار ہوں۔

اے میرے رب ذوالجلال! میرے گناہوں کی مغفرت فرما دے، اے بخشنے والے مہربان! میں نے امید کی رسی مضبوطی سے تھام لی ہے۔

پھر وہ غمگین و پریشان بیٹھ گئی اور دوسری مضطرب و بے قرار ہو کر گریہ وزاری کرتے ہوئے پکارنے لگی :

اے تمام امیدوں کی انتہا! اے نیکوں کو نیک اعمال پر ابھارنے والے! اے عارفین کے دلوں میں محبت کی قندیل روشن کرنے والے! اے وحشت زدوں کے انیس! اے دلوں کے طبیب! اور اے گناہوں کو بخشنے والے! میرا جسم تیری محبت کی تپش سے پگھل رہا ہے، مجھے تیری بارگاہ میں پیش ہوتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! مجھ پر بھی اپنی خاص رحمت و انوار کا نزول فرما اور میرے جرم و خطا غلط فرما دے۔

پھر وہ اِدھر اُدھر گھومنے لگی اور اس کے لبوں پر یہ اشعار رقص کر رہے تھے :

أتيتك أشتكي سقمي و دائي   وعندك يا منى قلبي دوائي

فلا أحد سواك إليه أشكو   فيرحم عبرتي و يرىٰ بكائي

فيا مولى الورىٰ جد لي بعفو و مـن بنظرة فيها شـفــائي

یعنی میں تیری بارگاہ میں اپنی کمزوری و بیماری کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔اے میرے دل کی آرزو! میرے مرض کی دوا تیرے پاس ہے۔

تیرے سوا کوئی نہیں جسے میں اپنی بیماری بتا سکوں اور وہ میری گریہ وزاری کو دیکھے اور میرے آنسوؤں پر رحم کرے۔

اے ساری مخلوق کے مالک ومولا! اپنی بخشش وکرم کی بارش فرما کر مجھ پر احسان فرما اور ایسی نظر رحمت فرما دے جس میں میری شفا کا سامان ہو۔

پھر وہ بیٹھ گئی اور تیسری کھڑی ہوئی، وہ بھی کافی دیر تک زاروقطار روتی رہی، پھر عرض کرنے لگی :

اے پروردگار! میرے گناہوں نے مجھے تیرے دروازے سے دھتکار دیا ہے اور دائمی غفلت نے تیری بارگاہ سے دور کر دیا ہے۔میں تیرے دروازے پر ذلت ومحتاجی کے ساتھ گناہوں اور خطاؤں کی معافی کی آس لگائے کھڑی ہوں، اور میں تیرے عذاب سے فرار ہو کر تیری پناہ میں آگئی ہوں۔

پھر اس نے بھی چند اشعار پڑھے :

ببابک ربي قد انخت رکائبي وما لي من أرجوه يا خير واهـب

سواک فجد لي بالذي أنت أهله لأعطي من الأفضال أسنى المواهب

إذا لم أمت شوقا إليک و حسرة عـليک فلا بلغتُ منک مآربي

یعنی اے میرے پروردگار! تیرے دروازے پر میں نے ڈیرا ڈال رکھا ہے۔اے بہتر عطا فرمانے والے! تیرے علاوہ میرا ہے کون! جس سے میں کوئی امید رکھوں۔

مجھ پر اپنی شان کے مطابق جود و کرم فرما اور مجھے اپنا بہترین فضل عطا فرما۔

اگر میں تیرے شوقِ دید اور حسرتِ دیدار میں نہ مری تو اپنے مقصود سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

یہ اشعار پڑھ کر آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب لیے وہ ایک سمت میں بیٹھ گئی۔ پھر چوتھی لڑکی روتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور حسرت کے عالم میں اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے لگی۔ چنانچہ اس نے عرض کیا :

یا الٰہی! تو نے عبادت و ریاضت کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ تیرے دروازے پر کھڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔

اے میرے پروردگار! اگر معاف کرنا تیری صفت نہ ہوتی تو عبادت و مجاہدہ کرنے والے جب گناہوں میں مبتلا ہوتے تو تیری بارگاہ میں نہ آتے۔

اے میرے مالک و مولا! اگر تو معاف نہ کرسکتا تو میں تجھ سے کبھی مغفرت کی اُمید نہ رکھتی۔ لیکن تیری یہ شان ہے کہ تو مجھ پر اپنی وسیع رحمت کے ساتھ کرم فرما سکتا ہے؛ لہٰذا اے وہ ذات جس سے کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ شے بھی مخفی نہیں! اور اے وہ ذات جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں! تو میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرما۔ تو میرے گناہوں کو غلط کردے، بس تو ہی میرا مطلوب و مقصود ہے۔

پھر اس نے درجِ ذیل اشعار پڑھے :

تعطفت بفضل منک یا مٰلک الوریٰ فأنت ملاذي سيدي و معيني

لئن أبعدتني عن جنابک زلتي فإن رجائي فيک حسن يقيني

وظني جميل إنني منک أرتجي عواطفک الحسنى فخذ بيميني

یعنی اے مخلوق کے مالک! اپنے فضل سے مجھ پر عنایت کی ہوا چلا دے۔ تو ہی میری پناہ گاہ، میرا مالک اور میری مدد فرمانے والا ہے۔

اگر میری لغزشوں نے مجھے تیری بارگاہ سے دور کر دیا ہے تو کوئی غم نہیں ؛ کیوں
کہ تیرے متعلق مجھے حسن ظن ہے۔
اور میرا حسن ظن یہ ہے کہ میں تجھ سے تیرے انعام واِکرام کی اُمید رکھتی ہوں
؛ لہٰذا میری دستگیری فرما۔

حضرت محمد بن مروان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان لڑکیوں کی عارفانہ گفتگو اور سوزآگیں دعائیں سن کر جہاں میری آنکھیں آنسوؤں میں ڈبڈبا گئیں وہیں ان کی پندو نصیحت سن کر میرا دل خوشیوں سے جھوم اُٹھا۔(۱)

انسانی چہرے والا جانور

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: میں نے مکہ معظّمہ میں ایک نصرانی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا جو اسقف کے نام سے مشہور تھا۔ میں نے پوچھا: کس چیز نے تمھیں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھیر دیا ہے؟۔ اس نے کہا: میں نے اس سے بہتر چیز اختیار کر لی ہے۔ میں نے پوچھا: یہ سب کیسے ہوا؟۔ تو اس نے اپنا واقعہ یوں بیان کرنا شروع کیا :

میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار تھا، تھوڑی دور پہنچنے کے بعد کشتی ٹوٹ گئی۔ میں اس کے ایک تختے پر لٹک گیا، سمندر کی موجیں مجھے ڈھکیلتی رہیں، یہاں تک کہ میں ایک جزیرے میں جا پہنچا۔ جہاں کثیر درخت تھے جن کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم تھے۔ ایک صاف وشفاف نہر تھی۔

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۱۹۳ تا ۱۹۴۔

میں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا: اب میں یہ پھل کھاؤں گا، اور نہر سے پانی پیوں گا جب تک کہ کوئی راستہ نہیں ملتا۔ جب رات ہوئی تو میں جانوروں کے خوف سے درخت پر چڑھ کر کسی ٹہنی پر سو گیا، رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد میں نے سطحِ آب پر ایک جانور کو بزبانِ فصیح یوں تسبیح کرتے ہوئے دیکھا :

لا إلٰه إلا اللّٰه العزيز الجبار ، محمد رسول اللّٰه النبي المختار، أبـوبـكر الصديق صاحبه في الغار، عمر الفاروق فاتح الأمصار، عثمـان الـقتيـل فـي الـدار، عـلـي سيف الـلّٰه على الكفار، فعلى مبغضيهم لعنة العزيز الجبار، و مأواه النار و بئس القرار .

یعنی اللہ عزیز و جبار کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ نبی و رسول ہیں۔ ابوبکر صدیق غار میں ساتھ رہنے والے، عمر فاروق شہروں کو فتح کرنے والے، عثمان غنی گھر میں شہید ہونے والے اور علی مرتضیٰ کفار پر اللہ تعالیٰ کی تلوار ہیں۔ ان سے بغض رکھنے والوں پر عزیز و جبار کی لعنت ہو، ایسے (بدبخت) کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیسا ہی برا ٹھکانہ ہے!۔

وہ جانور یہی کلمات بار بار دہراتا رہا، طلوع فجر کے بعد اس نے پھر چند کلمات کہے :

لا إلٰـه إلا الـلّٰـه الـصـادق الـوعد و الوعيد، محمد رسول اللّٰه الهادي الرشيد، أبوبكر الموفق السديد، عمر الفاروق سور من حـديـد، عثـمـان الـفضيل الشهيد، علي بن أبي طالب ذو البأس الشديد، فعلى مبغضيهم لعنة الرب المجيد .

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس کے وعدہ و وعید سچے ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو رشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ ابوبکر کو صحیح رائے کی توفیق دی گئی۔ عمر بن خطاب کافروں کے لیے آہنی

دیوار ہیں۔عثمان فضیلت والے شہید ہیں اور علی بن ابی طالب زبردست قوت
والے ہیں۔ان سے بغض رکھنے والوں پر رب مجید کی لعنت ہو۔

جب وہ جانور خشکی پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس کا سر شتر مرغ جیسا، چہرہ انسان جیسا، ٹانگیں اونٹ کی ٹانگوں کی طرح اور دم مچھلی کی مانند ہے، میں ہلاکت کے خوف سے بھاگنے ہی والا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ کر کہا: رک جاؤ، ورنہ ہلاک ہو جاؤں گے۔

میرے رکنے کے بعد اس نے مجھ سے میرے دین کے متعلق دریافت کیا تو میں جواب دیا: نصرانیت۔اس نے کہا: اے نقصان اُٹھانے والے! بربادی ہے تیرے لیے، دین اسلام اختیار کرلے کہ تو مومنین جنات کی قوم میں پہنچ چکا ہے۔ان سے سوائے مسلمان کے کوئی نجات نہیں پاسکتا۔

میں نے پوچھا: اسلام کیسے لاؤں؟ اس نے بتایا: اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

چنانچہ میں کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا پھر اس نے کہا: تیرا اسلام کامل تب ہوگا جب تو خلفاے اربعہ سے راضی رہے گا۔میں نے کہا: تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟۔

اس نے جواب دیا: ہماری ایک قوم نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں حاضر ہوئی، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: جب قیامت کا دن ہوگا تو جنت لائی جائے گی۔وہ عرض کرے گی: یا اللہ! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے کونوں کو مضبوط کرے گا۔اللہ فرمائے گا: میں نے تیرے کونوں کو خلفاے اربعہ سے مضبوط کر دیا ہے اور تجھے حسن وحسین سے زینت بخشی ہے۔

پھر اس جانور نے مجھ سے پوچھا: تم یہاں ٹھہرنا چاہتے ہو یا اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹنا چاہتے ہو؟۔میں نے کہا: اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا چاہتا ہوں۔اس نے کہا: تو پھر یہاں کھڑے رہو، ایک کشتی کا یہاں سے گزر ہوگا۔

میں وہاں کھڑا رہا، وہ جانور سمندر میں اُتر کر میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا پھر ایک کشتی وہاں سے گزری جس میں چند افراد سوار تھے۔ میرے اشارہ کرنے پر انھوں نے مجھے بھی سوار کرلیا۔ اس میں بارہ نصرانی تھے، جب میں نے ان کو اپنا واقعہ بتایا تو سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر مجھے یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کا اللہ کے ہاں ضرور کوئی راز ہے کہ ان کی برکت سے مجھے اسلام کی دولت ملی اور بلند مقام نصیب ہوا۔(۱)

فطری جذبات

حضرت عبدالملک بن قریب الاصمعی رحمہ اللہ (م۲۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ میں خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا کہ اچانک میرا ایک شخص سے سابقہ پڑا جس کے سر پر ایک گٹھری تھی اور دیوانہ وار طواف کیے جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ نوجوان! تو طواف کرتا ہے اور تیرے سر پر گٹھری ہے؟۔

اس نے کہا: یہ تو میری والدہ ہیں جس نے مجھے اپنے پیٹ میں نو ماہ اُٹھائے رکھا۔ میرا اِرادہ ہوا کہ کس طرح اس کا حق اَدا ہو جائے!۔

میں نے کہا: کیا میں تجھے ایسی تدبیر نہ بتاؤں کہ جس سے تیری والدہ کا حق اَدا ہو جائے۔ اس نے کہا ضرور، وہ کیسے!۔ میں نے کہا: اس کا کسی سے نکاح کر دے۔

یہ سن کر جوان بھڑک اُٹھا اور کہنے لگا: خدا تیرا بیڑا غرق کرے، کیا تو میری ماں کے بارے میں ایسا کہہ رہا ہے۔ لیکن اوپر سے اس کی ماں کے جذبات نے گوارا نہ کیا، اور ہاتھ اُٹھا کر اپنے خدمت گزار بیٹے پر دے مارا اور اس کے منہ کو بند کرتے ہوئے کہا کہ بے وقوف وہ صحیح بات کہہ رہا ہے اور تو اس سے ناراض ہو رہا ہے!۔(۱)

---

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۴۰۲ تا ۴۰۳۔
(۲) المنتظم: ۲۸۴/۳...... نفحۃ الیمن: ۱۵ مطبع مجتبائی۔

عرفانِ الٰہی کا جداگانہ رنگ

حضرت اصمعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دورانِ طواف ایک اعرابی کو دیکھا جسے آشوبِ چشم نے آلیا تھا اوراس کی آنکھوں سے کیچڑ بہا جارہا تھا۔مجھ سے رہا نہ گیا اور میں ٹوک پڑا: اپنی آنکھیں صاف کیوں نہیں کر لیتے ؟۔

کہنے لگا: دراصل طبیب نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا ہے،اور جس چیز سے طبیب روک دے اس سے رُک جانے ہی میں خیر ہوتی ہے۔

میں نے اس سے پوچھا؟ تجھے کسی چیز کی خواہش ہوتو بتا؟۔ بولا :

أشتهي لكن أحتمي، لأني رأيت أهل الجنة غلبت حميتهم على شهوتهم، فهم لا يشتهون بعدها أبدا،

و رأيت أهل النار غلبت شهوتهم على حميتهم فلذالک افتضحوا و شقوا شقاوة لا يسعدون بعدها أبدا .

یعنی خواہش تو ہے لیکن میں پرہیز کو ترجیح دیتا ہوں؛ کیوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل بہشت کا پرہیز ان کی خواہش پر غالب رہتا ہے تو اس کے بعد انھیں پھر کسی چیز کی خواہش نہیں رہ جاتی۔

یوں ہی مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل جہنم کی خواہش ان کے پرہیز پر غالب رہتی ہے،جس کے باعث انھیں رسوائی وشرمندگی اُٹھانا پڑتی ہے اور ایسی بدبختی ان کا مقدر بن جاتی ہے کہ پھر انھیں کبھی سعادت نصیب نہیں ہوتی !۔(۱)

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح:۸۔

خدایا یہ تیرے پراَسرار بندے

حضرت ابوالفضل عباس بن فرج ریاشی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت الاصمعی کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ ایک دن میں جامع مسجد سے نکل کر بصرہ کی طرف چلا، ابھی میں اس کی کسی گلی ہی میں تھا کہ اتنے میں اونٹ پر سوار ایک اَکھڑ اور اُجڈ قسم کا اعرابی آدھمکا جس کی گردن میں تلوار حمائل تھی اور ہاتھوں میں کمان تھی، قریب آکر اس نے مجھے سلام کیا اور پوچھا: کس قبیلے سے تمہارا تعلق ہے؟۔

میں نے کہا: بنی اصمع سے۔

پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم اصمعی ہو؟۔

میں نے کہا: ہاں۔

پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟۔

میں نے کہا: ایک ایسی جگہ سے جہاں پر اللہ کے کلام کی تلاوت کی جاتی ہے۔

پوچھا: کیا اللہ کا کوئی ایسا کلام بھی ہے جس کی انسان تلاوت کرتے ہیں؟۔

میں نے کہا: ہاں بالکل۔

اب وہ کہتا ہے کہ تو پھر اس میں سے کچھ مجھے بھی سناؤ۔

میں نے کہا: اپنی سواری سے اُترو؛ چنانچہ وہ اُترا اور میں نے سورۂ ''والذاریات ذرواً'' پڑھنا شروع کردیا۔ جب اس آیت پر پہنچا: **وَ فِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَ مَا تُوعَدُونَ**۔ تو وہ اعرابی پوچھ پڑا: کیا یہ اللہ کا کلام ہے؟۔

میں نے کہا: اور کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا بلاشبہہ یہ اس کا کلام ہے جس کو اس نے اپنے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔

اعرابی نے مجھ سے کہا: اب بس کیجیے اتنا بہت ہے۔

یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور اپنی اونٹنی کو اس نے تلوار سے ذبح کر دیا، اس کا چمڑا اَلگ کیا اور کہنے لگا: آؤ اس کی تقسیم پر میری مدد کرو۔ چنانچہ ہم نے آنے جانے والے لوگوں میں اسے بانٹ دیا۔

پھر اس نے اپنی تلوار توڑ کر زمین میں گاڑ دی، اور یہ کہتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بیاباں کی طرف نکل گیا: ''وفی السماء رزقکم و ما توعدون'' اور بار بار اس آیت کی تلاوت کرتا رہا، جب وہ بصرہ کی دیواروں کی اوٹ میں چلا گیا، تو میں اپنے نفس کو ملامت کرنے لگا اور میں نے جی میں کہا: اے اصمعی! تم تیس سال سے قرآن پڑھ رہے ہو، اس آیت سے اور اس قسم کے اَمثال وقصص سے نہ معلوم کتنی بار تمہارا گزر ہوا ہوگا؛ مگر تمہیں کبھی وہ عرفان وتنبیہ نصیب نہیں ہوئی جیسا کہ اس اعرابی کو جسے اتنا بھی پتا نہیں کہ اللہ کا کوئی کلام بھی ہے!۔

بہرحال! ایک مرتبہ امیر المومنین ہارون رشید کے ساتھ میرا حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظّمہ جانے کا اتفاق ہوا۔ طوافِ خانۂ کعبہ میں لگا ہوا تھا کہ اتنے میں کسی آواز دینے والے نے مدھم آواز میں بلاتے ہوئے کہا: اے اصمعی! اِدھر آؤ، اے اصمعی! اِدھر آؤ۔

کہتے ہیں کہ جب میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی لاغر ونحیف اور زرد رنگ اعرابی کھڑا ہے۔

پھر وہ میرے پاس آیا اور سلام کیا، اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مقام ابراہیم کے پیچھے مجھے بٹھایا اور کہا: ذرا ایک بار اور اللہ کا وہ کلام مجھے سناؤ جس کی ایک مرتبہ آپ نے تلاوت کی تھی؛ چنانچہ پھر میں نے سورۂ ذاریات پڑھنا شروع کی، جب ''وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَ مَا تُوعَدُونَ'' پر پہنچا تو اعرابی کی چیخ نکل گئی اور اس نے دو بار کہا: بیشک اللہ

نے ہم سے جس کا وعدہ لیا تھا اسے بالکل سچ پایا۔

پھر پوچھا: اے اصمعی! کیا اس کے علاوہ بھی اللہ کا کوئی کلام ہے؟۔

میں نے کہا: ہاں، اے اعرابی! یہ دیکھ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَوَ رَبِّ السَّمَاءِ وَ الأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ o

یہ سن کر پھر اعرابی چیخ پڑا اور کہا: اللہ تیری شان بلند! **من ذا اغضب الجليل حتى حلف؟ أفلم يصدقوه بقوله حتى ألجؤوه إلى اليمين.**

اس نے یہ جملہ تین بار دہرایا اور وہیں اس کی روح پرواز کرگئی۔(۱)

اور شہزادے کا دل پسیج گیا

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک روز حضرت منصور بن عمار علیہ الرحمہ (م۲۲۵ھ) بصرہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ایک جگہ ایک محل نما عمارت دیکھی جس کی دیواریں نقش و نگار سے مزین تھیں، اور اس کے اندر خدام و حشم کا ایک ہجوم تھا جو اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر مختلف کاموں کو سرانجام دینے میں مصروف تھے، اس میں بے شمار خیمے لگے ہوئے تھے اور محل کے دروازے پر دربان بالکل اسی طرح سے بیٹھے تھے جس طرح بادشاہ کے محل کے باہر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس محل نما عمارت کے مقفّل دیوان خانے میں سونے چاندی کا جڑا ہوا تخت رکھا ہوا تھا جس پر ایک انتہائی خوبصورت نوجوان پورے وقار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور خدام اس کے گرد ہاتھ باندھے اس کے اِشارے کے منتظر تھے۔

---

(۱) شعب الایمان بیہقی: ۳/۳۷۸ حدیث: ۱۳۲۹...... التوابین: ۱/۷۶...... تفسیر الآلوسی: ۱۹/۳۷۷...... تفسیر قرطبی: ۱۷/۳۹...... تفسیر نسفی: ۳/۳۵۹...... تفسیر نیشاپوری: ۷/۶۴...... تفسیر البحر المدید: ۶/۱۴۷...... اضواء البیان فی تفسیر القرآن بالقرآن: ۸/۶...... اعراب القرآن وبیانہ: ۹/۳۱۰...... التفسیر المنیر: ۲۷/۲۰...... الجدول فی اعراب القرآن: ۲۶/۳۳۰۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس محل نما خوبصورت عمارت میں داخل ہونا چاہا تو دربانوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور اندر داخل ہونے سے منع کر دیا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت یہ نوجوان دنیا کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے؛ لیکن اسے بھی موت تو آنی ہے، جب موت آئے گی تو اس کی بناوٹی بادشاہی کا خاتمہ ہو جائے گا، جو کچھ اس کے پاس کل تک تھا وہ اگلے دن تک نہیں رہے گا؛ لہٰذا مجھے ڈرنا نہیں چاہیے اور اس کے پاس جا کر حق بات کی نصیحت کرنی چاہیے، شاید اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

چنانچہ میں موقع کی تلاش میں رہا جونہی دربان ذرا مشغول ہوئے، میں آنکھ بچا کر اندر داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نوجوان نے کسی عورت کو آواز دی، اتنے میں ایک حسین اندام کنیز حاضر ہوگئی، اسے دیکھ کر مجھے ایسا لگا جیسے دن چڑھ آیا ہو۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سی کنیزیں تھیں جن کے ہاتھوں میں خوشبودار مشروب سے بھرے ہوئے برتن تھے۔ اس مشروب کے ساتھ اس نوجوان کے دوستوں کی خدمت کی گئی۔ مشروب سے لطف اندوز ہونے کے بعد اس کے تمام اَحباب یکے بعد دیگرے اس کو سلام کر کے رخصت ہونے لگے۔

جب وہ دروازے تک پہنچے تو انھوں نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے خوف زدہ ہونے کی بجائے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟۔ انھوں نے بتایا: یہ بادشاہِ وقت کا بیٹا ہے۔

میں یہ سن کر تیزی سے اس نوجوان کی طرف بڑھا اور اس کے سامنے جا کر رُک گیا۔ جب شہزادے نے مجھ جیسے فقیر کو بالکل اپنے سامنے کھڑا پایا تو سخت غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: ارے پاگل! تو کون ہے؟ تجھے کس نے اندر داخل ہونے دیا، اور میری اِجازت کے بغیر یہاں کیسے آ گیا!۔

میں نے کہا: شہزادہ سلامت! ذرا ٹھہر جائیے اور میری لاعلمی کو اپنے علم، اور میری خطا

کو اپنے کرم سے درگزر کر دیجیے۔ میں دراصل ایک طبیب ہوں۔ میرے اتنا کہنے سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور کہنے لگا: ٹھیک ہے، تو ذرا ہمیں بھی بتاؤ کہ تم کیسے طبیب ہو!۔

میں نے کہا: میں گناہوں کے درد، اور نافرمانیوں کے زخموں کا علاج کرتا ہوں۔ اس نے کہا: اپنا علاج بیان کرو۔ میں نے کہا: اے شہزادے! تو اپنے گھر میں آرام سے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا لہو ولعب میں مصروف ہے جب کہ تیرے کارندے باہر لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔

کیا تجھے اللہ سے خوف نہیں آتا، اس کے دردناک عذاب کا سوچ کر تیرا دل نہیں دہلتا۔ تجھے اُس دن کا کوئی لحاظ نہیں جس دن تمام بادشاہوں اور حکمرانوں کو ان کی بادشاہیوں اور حکمرانیوں سے معزول کر دیا جائے گا اور تمام سرکش ظالموں کے ہاتھ باندھ دیے جائیں گے۔ یاد کر اس اندھیری رات کو جو یومِ قیامت کے بعد آنے والی ہے، اور جہنم کی وہ آگ جو غصے کی وجہ سے پھٹنے والی ہے، اور غیظ وغضب سے چنگھاڑ رہی ہے۔ اس کے خوف سے ہر کوئی حواس باختہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ایک عقل مند آدمی کو دنیا کی فانی نعمتوں، چھن جانے والی حکومتوں اور حسیناؤں کے ان خوبصورت تھرکتے ہوئے جسموں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے جنھیں مرنے کے بعد صرف تین دن میں خون پیپ اور بدبودار لوتھڑوں میں تبدیل ہو جانا ہے۔ بلکہ دانا شخص تو وہ ہے جو جنت کی سدا بہار نعمتوں اور حسن وجمال میں ڈوبی ہوئی وہاں کی عورتوں (حوروں) کا طالب ہوتا ہے، جن کا خمیر کستوری، عنبر، اور کافور سے اُٹھایا گیا ہے، اور جو ایسی حسین وجمیل ہیں کہ آج تک کسی آنکھ نے ویسا حسن نہ دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں کے متعلق فرمایا ہے :

فِيۡهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَ لَا جَآنٌّ، فَبِأَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، كَأَنَّهُنَّ اليَاقُوتُ وَالۡمَرۡجَانُ ○ (سورۂ رحمٰن: ۵۶ تا ۵۸)

اور ان میں نیچی نگاہ رکھنے والی (حوریں) ہوں گی جنہیں پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جِن نے۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ گویا وہ (حوریں) یاقوت اور مرجان ہیں۔

لہٰذا خردمند وہی ہے جو جنت کی کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کی تمنا رکھے اور عذابِ جہنم سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے۔

میری یہ باتیں سن کر شہزادے نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا: اے طبیب! تو نے تو الٹی چھری سے مجھے ذبح کر دیا۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا ہمارا رب اپنے نافرمان بھگوڑے بندوں کو قبول کر لیتا ہے اور کیا وہ مجھ جیسے گنہ گار اور پاپی شخص کی توبہ قبول فرمائے گا۔ میں نے کہا: کیوں نہیں! وہ بڑا غفورٌ رحیم اور کریم ہے۔

میرا یہ کہنا تھا کہ اس نے اپنی قیمتی عبا چاک کر ڈالی اور محل کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ چند سالوں بعد جب میری قسمت نے یاوری کی اور میں حج کے لیے مکہ معظّمہ گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نوجوان دیوانہ وار طوافِ کعبہ میں مصروف ہے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف لپکا، نیازمندانہ سلام پیش کیا اور کہنے لگا: کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟۔

میں نے کہا: نہیں۔ تو وہ کہنے لگا: اَرے، میں وہی بادشاہِ وقت کا بیٹا ہوں جس کا دل آپ کی باتیں سن کر پسیج گیا تھا اور اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوگئی تھی!۔

خلیفہ وقت کو نصیحت کرتے ہوئے

ابن مہاجر بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ منصور بن مہدی (م ۲۳۶ھ) حج کے اِرادے سے مکہ معظّمہ حاضر ہوا تو اس نے اپنا معمول بنایا کہ دارُ الندوہ سے رات کے آخری حصے میں نکلتا، طواف کرتا، اور نوافل پڑھتا۔ لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہونے دیتا کہ خلیفہ وقت

(۱) حکایات الصالحین: ۲۷۔

طواف کررہا ہے، یا نماز میں مشغول ہے۔ طلوع فجر کے بعد وہ دارالندوہ میں واپس آتا۔ مؤذن آتے اسے سلام کرتے اور نماز کی اطلاع دیتے۔ نماز ہوتی اور پھر وہ لوگوں کی امامت کرتا۔

ایک رات طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران ملتزم کے پاس گزر ہوا تو اس نے کسی نوجوان شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا :

اے اللہ! میں تیرے حضور یہ شکایت لے کر آیا ہوں کہ زمین پر ظلم وفساد کا دور دورہ ہے، اور حقدار کے حق کے درمیان طمع اور ظلم حائل ہو گیا ہے۔

منصور تیزی سے اس طرف گیا، اور کان لگا کر اس کی بات سنی، پھر واپس آ گیا اور مسجد کے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ ایک خادم کو بلا کر کہا کہ اس دعا مانگنے والے پر نگاہ رکھنا، جب دعا ختم کر لے اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔ خادم نے امیر المومنین کا حکم پہنچا دیا۔ اس نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور دو رکعت نماز اَدا کی اور قاصد کے ساتھ منصور کے پاس پہنچا اور اسے سلام کیا۔

منصور نے اس سے پوچھا کہ اے جوان! تم یہ کیا کہہ رہے تھے کہ زمین پر فساد پھیل گیا ہے اور مستحقین کے حقوق، طمع کے ذریعہ پامال ہو رہے ہیں۔

اس نے مودبانہ عرض کی: اگر امیر المومنین جاں بخشی کا وعدہ فرمائیں تو میں حقیقت حال بیان کروں۔

منصور نے کہا: ہم وعدہ کرتے ہیں، تم صحیح بات پیش کرو، جب سے ہم نے تمہارے الفاظ سنے ہیں دل مضطرب اور طبیعت پریشان ہے، کسی پہلو چین نہیں آتا۔

جوان نے کہا: جس شخص کو طمع ولالچ کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے اور جس نے حق داروں کو ان کے حق سے محروم کر دیا ہے وہ آپ ہی ہیں۔

منصور نے کہا: کم بخت! میں کیوں طمع کرنے لگوں، جب کہ سفید و سیاہ کا مالک میں ہوں اور ہر اچھی بری چیز میرے قبضے میں ہے۔

اس نے کہا کہ جتنی طمع آپ کے اندر پیدا ہوگئی ہے کسی میں بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کا حکمران مقرر کیا ہے، اور ان کے مال آپ کے قبضے میں دیے ہیں اور آپ کا حال یہ ہے کہ آپ ان سے غافل و بے پروا ہیں اور اپنے مال کی نمائش و افزائش میں مشغول ہیں!۔

آپ نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان پتھر کی دیواریں، اور لوہے کے دروازے حائل کر دیے ہیں، اور ان دروازوں پر مسلح دربانوں کا ہجوم ہے، اور اندر آپ قید ہیں۔

لوگوں سے مال وصول پر آپ نے عمال متعین کر رکھے ہیں، وزرا اور مددگاروں کی ایک بڑی فوج آپ کے اِرد گرد موجود ہے؛ حالاں کہ یہ ایسے نہیں کہ اگر آپ کوئی بات بھول جائیں تو آپ کو یاد دلا دیں، اور آپ کو یاد ہو تو عمل پر آپ کی مدد کریں۔

آپ نے خزانوں کے منہ کھول کر، سواریاں مہیا کر کے اور جسموں پر ہتھیار سجا کر ظلم پر انھیں جری کر دیا ہے، باہر لوگ دندناتے پھرتے ہیں، ان کے ظلم و ستم کی سنوائی ہے مگر مظلوموں کی کوئی دادرسی نہیں؛ کیوں کہ آپ نے لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی لگا رکھی ہے، چند مخصوص اور متعین لوگوں کے علاوہ کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔

آپ نے اپنے دربانوں سے یہ نہیں کہا کہ اگر کوئی مظلوم، پریشان حال، بھوکا ننگا، معذور و کمزور اور مسکین و عاجز قصر خلافت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اسے اندر آنے دیا جائے۔

آپ کے حاشیہ نشین، مصاحب اور وزرا و اعوان نے جب یہ دیکھا کہ خود خلیفہ کسی حق کے بغیر بیت المال کی اس رقم کو اپنے ذاتی اَغراض کی تکمیل کے لیے صرف کر رہا ہے جو درحقیقت مسلمانوں کے لیے ہے تو انھوں نے بھی خیانت شروع کر دی۔

انھوں نے سوچا کہ جب خلیفہ اللہ کی خیانت کرسکتا ہے تو ہم خلیفہ کی خیانت کیوں نہیں کرسکتے ؟۔ اس لیے انھوں نے باہمی اتفاق سے یہ بات طے کرلی کہ عوام کی کوئی بات، اور ملک وملت کا کوئی مسئلہ آپ تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ صرف وہی باتیں آپ کے علم میں آئیں جنھیں وہ ضروری سمجھیں۔

اسی طرح اگر کوئی عامل آپ کی طرف سے کہیں جاتا ہے اور وہ ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اسے رہنے نہیں دیتے، اس کی طرح طرح سے تذلیل کرتے ہیں، اور آپ کی نظروں میں اس کی قدر ومنزلت گرا دیتے ہیں۔

آپ کے مقربین کا حال یہ ہے کہ لوگ ان سے ڈرتے ہیں، اور انھیں بڑا سمجھتے ہیں، خود آپ کے عمال اور کارکن ان کی عظمت کے معترف ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں ہدایا پیش کرکے اس عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، اور جب وہ ان مقربین کی قربت حاصل کرلیتے ہیں تو عوام پر ظلم کرنے میں کوئی خوف یا جھجک ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہ لوگ مالداروں اور خوش حال لوگوں سے رشوتیں لیتے ہیں اور اس کے صلے میں انھیں کم حیثیت، غریب لوگوں پر ظلم کرنے کی آزادی دیتے ہیں۔

اتنا کہتے کہتے جوان جذبے میں آکر کہنے لگا: خدائے پاک کی یہ سرزمین شر وفساد، حرص وہوس اور ظلم وجبر سے لبریز ہوگئی ہے۔ یہ تمام لوگ آپ کے اقتدار میں شریک ہیں، اور آپ ان سے غافل ہیں!۔

جب کوئی مظلوم کسی ظالم کی شکایت لے کر آپ کے پاس آتا ہے تو اسے آپ کے پاس جانے نہیں دیا جاتا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ کسی ایسے موقع پر جب آپ اپنی خلوت سے باہر آئیں تو آگے بڑھ کر ذرا بلند آواز سے آپ کو اپنی مظلومیت کی داستان سنا دے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔

آپ نے مظلوموں کی شکایات سننے کے لیے ایک ناظر مقرر کر رکھا ہے۔ جب کوئی

مظلوم اس کے پاس اپنی شکایت لے کر پہنچتا ہے تو آپ کے حاشیہ بردار اسے اس شکایت کو آپ تک پہنچانے سے روک دیتے ہیں۔ ناظر بیچارہ ان کے احکامات پر عمل کرنے پر مجبور ہے خواہ اسے آپ کے دربار میں عزت و مرتبہ ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

مظلوم کی شنوائی نہیں ہوتی، اس کی شکایات کا اِزالہ نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی باہمت مظلوم آپ کی سواری نکلنے کے موقع پر بآواز بلند اپنی شکایت سنانا چاہتا ہے تو اسے ایسا زدوکوب کیا جاتا ہے کہ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہل جاتا ہے۔

آپ اس دوران خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، نہ انھیں منع کرتے ہیں، نہ ظالمین کو سزا دیتے ہیں اور نہ ہی مظلوموں کی دادرسی کرتے ہیں۔

اب آپ مجھے بتایئے! کیا یہی اسلام ہے؟ کیا یہی تعلیماتِ دین ہیں؟ کیا اِس دور میں اسلام' نام کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہے؟ کیا ہمیں مسلمان کہلانے کا حق ہے؟۔

پہلے بنواُمیہ کی حکومت تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی کوئی مظلوم ان کے دربار میں پہنچا، اس کی فوری شنوائی ہوئی، اور حق وانصاف کے ساتھ اس کی شکایت دور کی گئی۔

بارہا ایسا ہوتا کہ ملک کے آخری کناروں سے لوگ آتے اور قصرِ سلطانی کی بلندو بالا دیوار اور پرشکوہ دروازوں سے مرعوب ہوئے بغیر اہل اسلام کو آواز دیتے تو لوگ ان کی طرف لپکتے اور ان سے پوچھتے کہو کیا بات ہے؟ تمہیں کیا شکایت ہے؟، پھر وہ اپنے ڈھائے جانے والے ظلم کی کہانی سناتے اور انصاف پاتے تھے۔

امیرالمومنین میں نے ایک مرتبہ چین کا سفر کیا، ان دنوں اس ملک پر جو شخص حکومت کر رہا تھا، وہ نہایت خداترس اور نیک انسان تھا۔ جب میں چین کی حدود میں داخل ہوا اور اس بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو یہ قصہ سب کی زبانوں پر تھا کہ ان کے بادشاہ کی سماعت میں خلل پیدا ہو گیا ہے اور اب وہ کوئی بات سن نہیں پاتا۔

قوت سماعت سے محرومی کے باعث بادشاہ حد درجہ ملول رہتا اور بعض اَوقات رونے لگتا۔ جب وزرا رونے کی وجہ دریافت کرتے تو وہ کہتا کہ میں اس مصیبت کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں جو مجھ پر نازل ہوئی بلکہ اس مظلوم کا سوچ کر رو رہا ہوں جو انصاف کے لیے میرے دروازے پر آئے گا اور چیخ چیخ کر اپنی فریاد پیش کرے گا؛ لیکن میں اس مظلوم کی آواز نہیں سن سکوں گا!۔

پھر اس نے یہ کہا: اگر چہ میری سماعت باقی نہیں رہی لیکن بینائی تو باقی ہے؛ لہٰذا تم لوگ پورے ملک میں اعلان کرادو کہ سرخ رنگ کا لباس صرف مظلوم پہنے، مظلوم کے علاوہ کوئی نہ پہنے؛ چنانچہ وہ صبح وشام گشت لگایا کرتا تھا تاکہ سرخ لباس پہنے ہوئے کوئی مظلوم اسے نظر آجائے اور وہ اس کے ساتھ انصاف کر سکے۔

جوان نے کہا: امیر المومنین! ذرا غور فرمائیں۔ چین کا شہنشاہ اپنے کفر وشرک کے باوجود اپنی رعایا کے ساتھ کس رحم وکرم اور عدل وانصاف کا معاملہ کر رہا ہے جب کہ آپ اللہ ورسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور پھر آپ کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد سے ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اس کے باوجود آپ مسلمانوں پر رحم نہیں کرتے اور اپنے نفس کو ملک پر ترجیح دیتے ہیں!۔

آپ مال سمیٹنے میں منہمک ہیں حالاں کہ جن وجوہات کی بنا پر آپ مال جمع کر رہے ہیں وہ سب فانی ہیں۔ مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ میں اولاد کے لیے مال جمع کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بچے کے سلسلے میں عبرت کا مشاہدہ کرادیا ہے۔

آپ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ جب بھی کوئی بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے خالی ہاتھ آتا ہے، زمین پر اس کے لیے کوئی مال نہیں ہوتا، اور کوئی مال ایسا نہیں ہوتا جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو؛ مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل حال ہوتی ہے اور وہ مال سے محروم نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ اس کے مقدر میں ہوتا ہے حاصل کر لیتا ہے۔ یہ مال اسے آپ نہیں

دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ عطافرماتا ہے۔

اگرآپ کہیں کہ میں یہ مال اپنے اقتدار کے استحکام اور سلطنت کی پائداری کے لیے جمع کررہاہوں تو یہ مقصد بھی اہم نہیں ہے۔ ذرا فکر کو آنچ دے کر سوچیں کہ آپ کے پیش روؤں نے سونے چاندی کے انبار لگادیے، اور بے حد وحساب مال جمع کیا؛ لیکن کیا ان کا اقتدار مستحکم ہوا؟ جب موت آئی تو جاہ وحشم ،عزت ورتبہ اور مال ودولت کچھ کام نہ آیا!۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آپ اورآپ کے بھائیوں کے پاس مال دینے کا اِرادہ کیا تو خوب دیا اور یہ اَمر رکاوٹ نہ بنا کہ اس سے پہلے آپ کے اورآپ کے بھائیوں کے پاس مال کم تھا۔ اگرآپ یہ کہیں کہ میں موجودہ زندگی سے بہتر زندگی حاصل کرنے کے لیے مال جمع کرتا ہوں تو یہ بات یاد رکھیں کہ اس سے بہتر زندگی اعمالِ صالحہ ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے!۔

امیر المومنین! مجھے بتلائیں کیا آپ اپنے کسی محکوم کو قتل سے بڑھ کر کوئی سزادے سکتے ہیں؟ منصور نے جواب دیا: نہیں۔

اس نے کہا کہ پھر اس ملک کو لے کر کیا کریں گے جس کی حکومت آپ کو تفویض کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے نافرمانوں کو قتل کی سزا نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذابِ الیم میں مبتلا کردیتا ہے۔

ذرا اُس دن کا تصور کیجیے جب بادشاہِ حقیقی یہ سلطنت چھین لے گا اورآپ کو حساب کے لیے بارگاہِ خداوندی میں پیش ہونا ہوگا۔ دنیاوی اقتدار وسلطنت کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ کام نہ آئے گی۔

منصور، جوان کی یہ باتیں سن کر زاروقطار رونے لگا اور اتنا رویا کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور کہنے لگا: اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ اے کاش! میں کچھ نہ ہوتا!۔

پھر اس نے نصیحت کرنے والے جوان سے دریافت کیا کہ اب مجھے بتلاؤ میں اپنی

سلطنت میں کیا تدبیر کروں اور ان خیانت پیشہ لوگوں سے کس طرح نمٹوں جو میرے اِرد گرد موجود ہیں، مجھے تو سب خائن ہی نظر آتے ہیں، ایسے لوگ کہاں سے لاؤں جو دیانت داری کے ساتھ میری اِعانت کر سکیں؟۔

اس نے جواب دیا: آپ صالحین اُمت کو اپنے ساتھ رکھیں۔

منصور نے پوچھا: وہ کون لوگ ہیں؟۔

اس نے جواب دیا: یہ علما ہیں۔

منصور کہنے لگا: علما مجھ سے راہِ فرار اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اس نے کہا: علما آپ سے اس لیے دور رہتے ہیں کہ کہیں آپ ان کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار نہ کریں جو عمال اور خدام کے ساتھ ہے۔

سب سے پہلے تو آپ کو اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لیے وا کرنے چاہئیں، اور مسلح دربانوں کا ہجوم کم کرنا چاہیے۔

ظالم سے مظلوم کا انتقام لینا، ظالم کو ظلم سے روکنا، حلال ذرائع سے مال حاصل کرنا اور عدل کے ساتھ تقسیم کرنا آپ کا شیوہ ہونا چاہیے۔

اگر آپ نے ان تدابیر پر عمل کیا تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ جو لوگ آج گریزاں ہیں وہ کل آپ کے پاس آجائیں گے اور رعایا کی بہتری کے لیے آپ کی مدد کریں گے۔

منصور نے دعا کی: اے پروردگار عالم! مجھے ان تدابیر پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ حرم شریف کے موذنوں نے آکر نماز کی اطلاع دی۔ منصور نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

نماز سے فراغت کے بعد منصور نے شاہی محافظ کو حکم دیا کہ اس جوان کو کہیں سے بلا کر لائے جو ابھی مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اگر تو نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی تو میں آج تیری گردن قلم کر دوں گا۔

بے چارہ محافظ اُفتاں ولرزاں اس نامعلوم شخص کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔طویل اور صبرآزما تلاش کے بعد محافظ نے دیکھا کہ وہ شخص ایک گھاٹی میں نماز ادا کررہا ہے۔جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو محافظ نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں؟۔

جواب دیا: ہاں پہچانتا ہوں۔محافظ نے کہا: اگر آپ کو اللہ کی معرفت ہے اور اس سے ڈرتے ہیں تو برائے کرم میرے ساتھ چلیے امیر المومنین نے آپ کو طلب کیا ہے،اور انھوں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں آپ کو لے کر نہ پہنچا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اس نے کہا: اب تو میں جاؤں گا نہیں؛ البتہ وہ میرے نہ جانے کی وجہ سے تجھے قتل بھی نہیں کرے گا۔محافظ نے پوچھا: اس کی وجہ؟ اور پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟؟۔

اس نے کہا: میں تجھے ایک پرچہ دیتا ہوں؛ مگر اس سے پہلے مجھے یہ بتا کہ کیا تجھے پڑھنا آتا ہے؟۔محافظ نے جواب دیا: نہیں۔

چنانچہ اس نے اپنے تھیلے سے ایک پرچہ نکال کر محافظ کو دیا اور کہا کہ اسے جیب میں رکھ لے،اس میں ''دعاے کشادگی'' لکھی ہوئی ہے۔

محافظ نے پوچھا: دعاے کشادگی کسے کہتے ہیں؟۔

اس نے کہا: دعاے کشادگی صرف شہیدوں کو عطا کی جاتی ہے۔

محافظ نے عرض کیا کہ جب آپ نے مجھ پر اتنا کرم فرمایا ہے تو یہ بھی بتلا دیں کہ اس دعا کی فضیلت اور خصوصیت کیا ہے،اور اس دعا کے الفاظ کیا ہیں؟۔

اس نے جواب دیا کہ جو شخص اسے صبح وشام پڑھے گا،اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے،اس کے لیے دائمی خوشی لکھ دی جائے گی،اس کی دعائیں قبول ہوں گی،اسے رزق میں کشادگی عطا ہوگی،اس کی اُمیدیں برآئیں گی،دشمنوں پر فتح نصیب ہوگی،اللہ کے نزدیک اس کا شمار صدیقین میں ہوگا اور اسے شہادت کی موت نصیب ہوگی۔وہ دعا یہ ہے :

اللّٰهُمَّ كَمَا لَطَفْتَ فِي عَظَمَتِكَ دُونَ اللُّطَفَاءِ وَعَلَوتَ بِعَظْمَتِكَ عَلَى العُظَمَاءِ وَ عَلِمْتَ مَا تَحْتَ أَرْضِكَ كَعِلْمِكَ بِمَا فَوقَ عَرْشِكَ، وَكَانَتْ وَسَاوِسُ الصُّدُورِ كَالعَلَانِيَّةِ عِنْدَكَ وَعَلانِيَّةُ القَولِ كَالسِّرِّ فِي عِلْمِكَ، وَانْقَادَ كُلُّ شَيئٍ لِعَظْمَتِكَ وَ خَضَعَ كُلُّ ذِي سُلْطَانٍ لِسُلْطَانِكَ وَ صَارَ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ كُلِّهِ بِيَدِكَ اِجْعَلْ لِي مِنْ كُلِّ هَمٍّ اَمْسَيْتُ فِيْهِ فَرْجاً وَّمَخْرَجاً o اللّٰهُمَّ اِنَّ عَفْوَكَ عَنْ ذُنُوبِي وَ تَجَاوُزَكَ عَنْ خَطِيْئَتِي وَ سَتْرَكَ عَلٰى قَبِيْحِ عَمَلِي اَطْمَعَنِي اَنْ أَسْئَلُكَ مَا لاَ اَسْتَوجِبُهُ لِمَا قَصَرْتُ فِيْهِ اَدْعُوكَ اَمِنًّا وَ اَسْئَلُكَ مُسْتَأنَسًا وَ إِنَّكَ المُحْسِنُ إِلَيَّ وَ اَنَا المُسِيئُ اِلٰى نَفْسِي فِيْمَا بَيْنِي وَبَيْنَكَ تَتَوَدَّدُ اِلَيَّ بِالنِّعَمِ وَ اتبَغِضُ اِلَيْكَ بِالمَعَاصِي وَلكِنَّ الثِّقَةَ بِكَ حَمَلَتْنِي عَلٰى الجُرْأَةِ عَلَيْكَ فَعُدْ بِفَضْلِكَ وَاِحْسَانِكَ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ .

یعنی اے اللہ! جیسے تو اپنی بزرگی میں دوسرے لطیفوں سے بڑھ کر لطیف ہوا، اور اپنی عظمت میں جملہ عظیموں پر فائق ہوا، اور زمین کے نیچے کا حال تو نے اسی طرح جانا جس طرح تو عرش کے اوپر کا حال جانتا ہے، سینوں کے وسوسے تیرے نزدیک کھلی بات کی طرح ہیں، اور کھلی بات تیرے علم میں چھپی بات کی طرح ہے (یعنی تیرے لیے خفیہ و علانیہ میں کوئی فرق نہیں ہے) ہر چیز تیری عظمت کے سامنے سرنگوں ہے، اور ہر ذی اقتدار تیرے اقتدار کے سامنے پست ہے۔ دنیا و آخرت کے تمام اُمور تیرے ہاتھ میں ہیں، تو ہر اس غم سے جس میں میں مبتلا ہوں مجھے نجات عطا فرما۔

اے اللہ! تو نے میرے گناہ معاف کیے، میری غلطیوں سے درگزر کیا اور میری بداعمالیوں کی پردہ پوشی کی۔ تیرے اس سلوک نے مجھے یہ طمع دلائی کہ میں

تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کا میں اپنے قصور کے باعث مستحق نہیں۔ میں تجھ سے بے خوف ہوکر اور مانوس ہوکر سوال کرتا ہوں، تو مجھ پر احسان کرتا ہے اور میں اپنے نفس کے ساتھ برائی کرتا ہوں، تو نعمتوں سے نواز کر مجھے دوست بناتا ہے اور میں گناہ کر کے تجھے ناراض کرتا ہوں؛ لیکن تیری ذات پر میرے اعتماد نے مجھے اس جرأت پر اکسایا ہے، لہٰذا مجھ پر اپنے فضل واحسان کا اِعادہ فرما، بلاشبہہ تو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

محافظ کہتا ہے کہ میں نے وہ پرچہ لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا، اور امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا، جب میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے نظر اُٹھائی، میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہنے لگے کہ نالائق! تو جادو خوب جانتا ہے۔ میں نے عرض کیا: نہیں یا امیر المومنین! بخدا میں سحر نہیں جانتا۔ ہاں یہ قصہ ضرور ہوا ہے۔

پھر خلیفہ نے مجھ سے وہ تعویذ طلب کر لی اور مجھ سے کہا کہ جا تو بچ گیا؛ ورنہ میں تجھے آج ضرور قتل کر دیتا۔ پھر اس تعویذ کی نقل تیار کرائی اور مجھے دس ہزار درہم بخشش کیے اور مجھ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو وہ جوان کی شکل میں کون شخص تھا؟، میں نے عرض کیا: نہیں۔ کہا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

جیسے دل میں آگ لگی ہو

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ (م ۲۴۵ھ) صحن بیت اللہ شریف میں مصروف طواف تھے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص خانۂ کعبہ پر نگاہیں جمائے ٹھنڈی آہ بھرتا ہے اور اس طرح مصروفِ دعا ہے :

(۱) احیاء علوم الدین: ۱۸۷/۲...... المنتظم: ۴۸۴/۲...... اعلام الناس بما وقع للبرامکۃ: ۳۵/۱...... المستطرف فی کل فن مستظرف: ۴۸۰/۱۔

اے میرے پروردگار! میں تیرا عاجز و مسکین بندہ ہوں اور تیرے در سے بھگایا ٹھکرایا ہوا ہوں۔ یا اللہ! میں تجھ سے ایسی شے کا طالب ہوں جو تیری محبت وقرب کا ذریعہ ہو اور ایسی عبادت کا طلب گار ہوں جو تجھے پسند ہو۔

اے میرے رب! میں تجھ سے تیرے برگزیدہ بندوں اور نبیوں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنی محبت کا جام پلا دے۔ میرے قلب سے اپنی معرفت کے لیے پردے اُٹھا دے؛ تاکہ شوق کے پروں سے پرواز کر کے میں تیرے عرفان کے گلستانوں میں محو مناجات ہو جاؤں۔

اس مناجات کے بعد وہ ایسا اشک بار ہوا کہ کنکریوں پر اس کے آنسو گرنے کی آواز آنے لگی۔ پھر یک بیک وہ ہنستا مسکراتا ہوا اُٹھا اور وہاں سے چلتا بنا۔

حضرت ذوالنون کہتے ہیں کہ میں بھی اس کے پیچھے ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ شخص یا تو کوئی بندۂ عارف ہے، یا دیوانہ۔ پھر وہ مسجد حرام سے نکل کر مکہ مکرمہ کے ویرانوں میں جانے لگا۔ اور جب مجھے اپنے پیچھے آتے دیکھا تو کہنے لگا: آخر کیوں تم میرا پیچھا کر رہے ہو؟، چلے جاؤ۔

ذوالنون: آپ کا نام کیا ہے؟۔

اجنبی: عبداللہ۔

ذوالنون: آپ کے والد کا اسم گرامی؟۔

اجنبی: عبداللہ۔

ذوالنون: یہ بات تو مجھے معلوم ہے کہ ہر شخص عبداللہ اور ابن عبداللہ ہے؛ مگر میں آپ کا اصلی نام پوچھ رہا ہوں۔

اجنبی: میرے باپ نے میرا نام سعدون رکھا ہے۔

ذوالنون: کیا وہی سعدون جسے لوگوں نے مجنون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔

سعدون: ہاں وہی۔

ذوالنون: وہ کون لوگ ہیں جن کی حرمت کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ نے دعا کی ہے؟۔

سعدون: وہ اپنے رب کی جانب اس کی محبت کو نصب العین بنا کر چلتے ہیں، اور ان کے دلوں پر ربانیت کا ایسا تسلط ہے کہ ماسوا سے جدا ہو گئے ہیں۔

سعدون: اے ذوالنون! میں نے سنا ہے کہ آپ بھی کچھ کہتے ہیں۔ اسباب معرفت کے بارے میں کچھ بتایئے۔

ذوالنون: آپ ان لوگوں میں ہیں، جن کے علم ومعرفت سے ہمیں استفادہ کرنا چاہیے۔

سعدون: سائل کا حق یہ ہے کہ اسے جواب دیا جائے، پھر دو اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے:

عارفین کے دلوں میں آتش شوق بھڑکتی رہے گی یہاں تک کہ جوارِ مولیٰ میں انھیں اقامت نصیب ہو، وہ اپنے مولا کی محبت میں مخلص ہیں، تو یہ محبت کبھی ان سے جدا نہیں ہوسکتی۔(۱)

تیری رحمتوں کے قربان

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک نوجوان کو غلافِ کعبہ سے چمٹا ہوا دیکھا، جس کے لبوں سے یہ الفاظ نکل رہے تھے:

يا رب، اعف عني عما فعلته في أيام غفلتي، فقد فنى جسمي،

---

(۱) روض الریاحین: ۶۶ تا ۶۷ بزم اولیاء: ۱۳۳ تا ۱۳۵۔

فهتف بـه هـاتف و هـو يقول: إنا لا نؤاخذ العبد بما فعله في أيام غفلته . (۱)

یعنی اے پروردگار! اپنی غفلت کے دنوں میں جو کچھ برائیاں میں نے کیں انھیں معاف فرمادے؛ کیوں کہ میرا جسم اسی غم میں گھلا جارہا ہے۔ اتنے میں ہاتف غیب سے آواز آئی: ایام غفلت میں سرزد ہوئے گناہوں پر ہم بندوں سے مواخذہ نہیں کرتے۔

......جسے مولا بلاتا ہے

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک نوجوان کو دیکھا جو پیہم نماز پڑھتا اور رکوع وسجود کرتا چلا جارہا تھا، رکنے کا نام ہی نہ لیتا۔ انھوں نے پاس جاکر کہا، تم تو بہت نماز پڑھتے چلے جارہے ہو، جواب دیا: میں اَزخود کیسے واپس ہوجاؤں، اِنتظار ہے کہ اجازت ملے تو جاؤں۔

شیخ ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ اس جوان کے اوپر ایک رقعہ گرا جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

یہ خط خداے عزیز وغفار کی جانب سے اِس بندۂ شاکر ومخلص کے لیے ہے، واپس جا تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں۔(۲)

قرب وبعد کا فلسفہ

حضرت ذوالنون مصری نے کسی کمزور بدوی کو- جو اہل اللہ میں سے تھا- طواف خانۂ کعبہ کرتے دیکھ کر فرمایا کہ کیا تو خدا کا محبوب ہے؟۔

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح:۲۳۔

(۲) روض الریاحین:۱۱۳ بحوالہ بزم اولیاء:۱۹۲۔

اس نے اِثبات میں جواب دیا۔

پھر پوچھا کہ وہ محبوب تجھ سے قریب ہے یا دور؟۔

اس نے جواب دیا کہ قریب ہے۔

پھر پوچھا: کیا وہ تجھ سے موافقت کرتا ہے یا ناموافقت؟۔

اس نے عرض کیا کہ موافقت کرتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ جب تو خدا کا محبوب بھی ہے اور وہ تیرے قریب وموافق بھی ہے، پھر تو اس قدر کمزور کیوں ہے؟۔

اس نے جواب دیا کہ دور رہنے والوں کی نسبت وہ لوگ زیادہ حیران وسرگرداں رہتے ہیں جنھیں قرب نصیب ہوتا ہے!۔

ایک کنیز کا علمی مقام

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں خانۂ کعبہ کا طواف کررہا تھا۔ دورانِ طواف اچانک ایک نور ظاہر ہوا جو آسمان تک بلند تھا۔ میں اس منظر کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔

طواف مکمل کرنے کے بعد میں اس نور کے متعلق غور وفکر کرنے لگا۔ یکا یک ایک دردناک اور غمگین آواز سنائی دی۔ میں نے اس سمت رُخ کیا تو ایک کنیز' خانۂ کعبہ کا غلاف تھامے چند اَشعار پڑھ رہی تھی جن کا مفہوم کچھ یوں تھا :

> اے میرے پاک پروردگار! تو جانتا ہے کہ تو ہی میرا محبوب ہے۔ ایک سال اور گزر گیا، میرا جسم اور آنسو میرے راز پر نوحہ کناں ہیں۔ اے میرے محبوب! میں نے اب تک محبت کو چھپائے رکھا، اب میں عاجز آگئی ہوں۔

اس کی اِس درد بھری فریاد نے میرا دل بے قرار کر دیا، میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر بارگاہِ خداوندی میں ملتجی ہوئی :

اے میرے پروردگار! تجھے اس محبت کا واسطہ جو تو مجھ سے کرتا ہے، مجھے بخش دے، اور میری مغفرت فرما دے۔

وہ مسلسل اسی جملے کی تکرار کر رہی تھی۔ مجھے یہ بات بہت بڑی معلوم ہوئی کہ کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس طرح مناجات کرے۔ چنانچہ اس کے قریب جا کر میں نے اس سے کہا: اے کنیز! تو جو اتنی بڑی بات کہہ رہی ہے کہ ''اس محبت کا واسطہ جو اللہ مجھ سے کرتا ہے''، کیا تجھے یہ کافی نہیں تھا کہ تو اس طرح کہتی: اے اللہ! مجھے تجھ سے جو محبت ہے اس کا واسطہ!۔

یہ سن کر وہ کہنے لگی: اے ذوالنون! مجھ سے دور ہو جا، کیا تو نہیں جانتا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ ان کے محبت کرنے سے پہلے ہی ان سے محبت کرتا ہے؟، کیا تو نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا :

فَسَوفَ يَأتِي اللّٰهُ بِقَومٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهٗ ۝ (سورۂ مائدہ:۵۴)

تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔

دیکھو! اس آیت مبارکہ میں پہلے اللہ کی ان سے محبت کا ذکر ہوا، بعد میں ان کی اللہ سے محبت کا ذکر ہوا۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں: کنیز کا علمی مقام دیکھ کر میں نے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں ذوالنون مصری ہوں؟۔

کہا: اے ذوالنون! دل، رموز واَسرار کے میدان میں گھومتے رہتے ہیں۔ میں نے خدائے رحمٰن کی معرفت کی بدولت تجھے پہچانا۔ اب ذرا پیچھے کی جانب دیکھ۔

میں نے پیچھے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔ جب دوبارہ اس کی طرف نظر کی تو وہ وہاں موجود نہ تھی۔ نہ جانے اسے زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا۔ میں نے اسے بہت تلاش کرنے کی کوشش کی؛ مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔(۱)

محبت الٰہی میں سرمست

مشہورِ زمانہ زاہد وعارف حضرت یحییٰ بن معاذ (م۲۵۸ھ) طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران یوں مناجات کرر ہے تھے :

إلهی إنی مقیم بفنائک مشغول بثنائک، صغیرا أخذتنی إلیک وسربلتنی بمعرفتک و أمکنتنی من لطفک ونقلتنی وقلبتنی فی الأعمال سترا وتوبة وزهدا وشوقا ورضا وحبا تسقینی من حیاضک وتهملنی فی ریاضک ملازما لأمرک ومشغوفا بقولک، ولما طر شاربی ولاح طائری فکیف أنصرف الیوم عنک کبیرا وقد اعتدت هذا منک صغیرا، فلی ما بقیت حولک دندنة وبالضراعة إلیک همهمة لأنی محب وکل محب بحبیبه مشغوف وعن غیر حبیبه مصروف .(۲)

یعنی اے پروردگار! میں تیرے صحن میں مقیم اور تیری ثنا میں مشغول ہوں۔ تو نے مجھے کم عمری ہی سے اپنی طرف کھینچ رکھا ہے، اپنی معرفت کا لباس پہنا رکھا ہے، اپنے لطف سے نواز رکھا ہے، اور تو مجھے احوال، اعمال، ستر، توبہ، زہد، شوق، رضا اور محبت میں بدلتا رہا ہے۔ تو مجھے اپنے حوضوں سے سیراب کرتا ہے،

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۲/۲۶۱، ۲۶۲۔

(۲) احیاء علوم الدین:۳/۳۸۹۔

اپنے باغوں میں گھماتا ہے۔ میں تیرے حکم کا پابند ہوں۔ اب جب کہ میری مونچھیں نکل آئی ہیں، اور کچھ قدرت حاصل ہوگئی ہے تو میں آج بڑا ہوکر تجھ سے کیسے منحرف ہوجاؤں جب کہ بچپن ہی سے تو مجھے اپنا مانوس بنائے ہوئے ہے۔ اور اب میں ان اُمور کا عادی ہوگیا ہوں۔ جب تک زندہ رہوں گا تیرے ہی گرد منڈلاؤں گا اور تیرے ہی سامنے آہ وزاری کروں گا؛ کیوں کہ میں محبّ ہوں اور ہر محبّ کو اپنے حبیب سے شغف ہوتا ہے اور غیر سے نفرت ہوتی ہے۔

مقربانِ بارگاہ کے راز و نیاز

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ (م۲۶۱ھ) فرماتے ہیں: کسی سال میں حج بیت اللہ الحرام سے مشرف ہوا۔ میں نے نہایت خوشامدانہ اَنداز میں دعا مانگنی شروع کی۔ اتنے میں ہاتف غیب سے ندا آئی:

اے بایزید! اگر تم ہزار سال بھی اس انداز سے دعا مانگو اور اس طرح ہزار ہا حج بھی کر لو تب بھی ہم اس میں سے ایک ذرا قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

میں نے عرض کی: ایسا کیوں؟۔

کہا گیا: اس لیے کہ تمہاری توجہ کا مرکز محض تمہارا عمل ہے؛ مگر جس کے لیے عمل کر رہے ہو اس سے یکسر غافل ہو۔

میں نے عرض کیا: مولا! اگر میری عبادتیں اور دعائیں تیری بارگاہ میں مقبول نہیں، تو مجھے تیری عزت کی قسم! پھر میرے اور تیرے درمیان رشتہ وصال منقطع ہوجانا چاہیے۔

کہا گیا: اے بایزید! اگر ایسا کرنا تمہارے اختیار میں ہو تو ٹھیک ہے قطع کر دو؛ مگر شاید تم بھول گئے کہ شرابِ وصل تو ہم نے تمھیں پلائی تھی!۔

میں نے عرض کی: تیری عزت کی قسم! میں اس وقت تک اپنے قدم تیرے حرم سے باہر نہ نکالوں گا جب تک مجھے یہ پتا نہ چل جائے کہ تو مجھ سے راضی ہوگیا ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا:

قل یا أبا یزید، ما ترید؟ وعزتي وجلالي لو یعلم العالم ما أعلمه من باطنک لرجموک، فقلت: و عزتک وجلالک لو یعلم العالم ما أعلمه من کرمک ما عبدوک. و إذا بهاتف یقول: یا أبا یزید، لا نقول و لا تقول، أنت عندنا مقبول.

یعنی بایزید کہو تمھیں کیا چاہیے؟، مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جتنا تمہارے قلب وباطن (کے رازوں) پر میں آگاہ ہوں اگر اتنا دنیا جان جائے تو وہ تمھیں سنگسار کردے۔ اس پر میں نے عرض کیا: مولا مجھے بھی تیری عزت وجلال کی قسم! تیرے کرم ونوال پر جیسی مجھے اطلاع نصیب ہوئی ہے اگر اس بھری دنیا میں اتنا کوئی اور جان لیتا، تو تیری عبادت ہی سے بے نیاز ہوجاتا۔ پھر ہاتف غیب سے ایک آواز اُبھری: یعنی اب نہ ہم کچھ کہیں، نہ تم کچھ کہو (بس بات یہیں پر ختم کہ) تم یکے از مقبولانِ بارگاہ ہو۔(۱)

اور یہی بایزید بسطامی عاشقوں کے زہد کی جزا کے طور پر فرماتے ہیں کہ میں تین بار خدا کے گھر حج کے لیے گیا ہوں۔ پہلی بار گیا تو بس خانۂ کعبہ دیکھا اور کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے جی میں کہا کہ ابھی میں بہت پیچھے ہوں۔ پھر اور زیادہ ریاضت ومجاہدہ کیا، لاکھ جتن کے بعد دوبارہ جانا نصیب ہوا تو میں نے خانۂ کعبہ بھی دیکھا اور ربِ کعبہ بھی دیکھا۔ پھر میں نے کہا کہ ابھی بھی کچھ شرکت ہے، دل خالی نہیں ہوا، تیسری بار پھر جب حج کے لیے گیا تو خدا کی قسم جب حرم مکہ کے صحن میں پہنچا تو کعبہ نہیں تھا بس رب کعبہ نظر آیا۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۹۔

کسی نے آپ سے کہا کہ آپ ولایت وقرب کی اس منزل پر فائز ہیں تو آپ خدا کا دیدار کیوں نہیں طلب کرتے !۔آپ نے فرمایا: میں وہ شے کیوں مانگوں جو مانگنے والوں کو نہیں ملتی اور نہ مانگنے والوں کو بن مانگے مل جاتی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جا کر دیدار کا مطالبہ کیا مگر نہیں ملا، اور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن کعبہ میں لیٹے ہیں انھیں بلا کر دیدار عطا کر دیا۔

مانگنے والے سے فرمایا: لَنْ تَرَانِی ٥ یعنی دکھا تو سکتا ہوں مگر تجھ میں دیکھنے کی قوت وسکت نہیں۔

اور جو نہیں مانگتے انھیں بلا کر بے حجاب اپنے دیدار سے مشرف کیا اور فرمایا: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ٥ (نگاہِ مصطفےٰ نہ درماندہ ہوئی اور نہ حد ادب سے بڑھی)۔

ہر حاجی، مہمانِ خدا

حضرت علی بن موفق علیہ الرحمہ (م ۲۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج بیت اللہ شریف کے لیے گیا۔ خانۂ کعبہ کا طواف کیا، سنگ اَسود چومے، مقام اِبراہیم کے سامنے دو رکعت نفل اَدا کی اور پھر غلافِ کعبہ پکڑ کر زاروقطار رونے لگا۔

میں نے دعا کی کہ اے پروردگار! نہ معلوم کتنی بار تیرے گھر آنے جانے کی سعادت نصیب ہوئی؛ مگر مجھے نہیں معلوم کہ میرا آنا تیری بارگاہ میں مقبول بھی ہوا یا نہیں۔

کہتے ہیں کہ ابھی میں یوں ہی مناجات کر ہی رہا تھا کہ میری آنکھیں لگ گئیں، کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: اے علی بن موفق! ہم نے تیری بات سن لی ہے؛ مگر یہ بتا کہ کیا کبھی تو اپنے گھر کسی ایسے شخص کو بھی دعوت دے کر بلاتا ہے جو تیرا محبوب نہ ہو۔ (یعنی اگر تو میرا محبوب نہ ہوتا تو میں کبھی تجھے اپنے گھر آنے کی توفیق نہ دیتا!)۔

تاریخ بغداد میں یوں ہے کہ جب حضرت علی بن موفق نے اپنا ساٹھواں حج مکمل کیا تو بیٹھ کر سوچنے لگے کہ نہ معلوم میری یہ عبادتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوئیں بھی یا نہیں! اتنے میں میری آنکھوں میں نیند اُتر آئی اور گویا کوئی مجھ سے مخاطب ہوکر کہہ رہا ہے: اے علی! اپنے گھر کسی محبوب ہی کو بلایا جاتا ہے۔ پھر جب میں بیدار ہوا تو میری وہ الجھن اور تشویش جاتی رہی تھی۔(۱)

بندگی کیا ہے کچھ نہ ہونا ہے

حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۸۵ھ) کو سفر کے دوران جنگل ویرانے میں سخت تکالیف کا سامنا درپیش ہوا؛ مگر انھوں نے خندہ پیشانی سے ان تکلیفوں پر صبر کیا۔ جب مکہ معظّمہ پہنچے تو ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں نے یہ بڑا کام کیا، اس خود بینی کا خیال آتے ہی انھیں دورانِ طواف ایک بوڑھی خاتون نے آواز دی۔

ابراہیم! میں بھی تیرے ساتھ اسی جنگل میں تھی؛ مگر میں نے جان بوجھ کر تجھ سے بات نہیں کی تاکہ تیری توجہ نہ ہٹ جائے۔ سو اپنے دل کا یہ وسوسہ تو نکال پھینک۔(۲)

خانۂ کعبہ پر پہلی نظر

حضرت حامد اَسود، حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم الخواص جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو کسی کو بھی

---

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۶۷......طبقات الحنابلہ: ۸۹/۱......تاریخ بغداد: ۲۸۱/۵۔

حاشیہ: حضرت علی بن موفق وقت کے عظیم صاحب کرامات بزرگ ہوئے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ نے پاپیادہ ساٹھ حج اَدا فرمائے، جن میں سے تیس سرکار دوعالم روحی فداہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اَدا کیے۔(الوافی بالوفیات: ۸۴/۷) -چریاکوٹی-

(۲) روض الریاحین: ۱۳۶بحوالہ بزم اولیاء: ۲۲۴تا ۲۲۵۔

اِطلاع نہ دیتے اور نہ ہی کسی کو اپنے ساتھ سفر پر چلنے کے لیے کہتے۔ جب کبھی سفر کا اِرادہ ہوتا تو ایک برتن اپنے ساتھ لے جاتے جو وضو اور پانی پینے کے لیے استعمال فرماتے۔

ایک مرتبہ اسی طرح آپ نے اپنا برتن اُٹھایا اور ایک سمت چل دیے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا۔ ہمارا سفر جاری رہا۔ آپ نے دورانِ سفر مجھ سے کوئی بات نہ کی؛ یہاں تک کہ ہم کوفہ پہنچ گئے۔ وہاں ہم نے ایک دن اور ایک رات قیام کیا، پھر آپ 'قادسیہ' کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم قادسیہ پہنچے تو آپ میری طرف متوجہ ہوکر پوچھنے لگے: اے حامد! تم یہاں کیسے آئے؟۔ میں نے عرض کی: حضور! میں تو آپ کے ساتھ ساتھ ہی سفر کرتا آرہا ہوں، اور اس پورے سفر میں میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا: میرا اِرادہ تو حج کرنے کا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اب میں مکہ معظّمہ کی طرف جاؤں گا۔ تو میں نے عرض کی: حضور! ان شاء اللہ میں بھی آپ کے ساتھ مکہ شریف چلوں گا۔ چنانچہ ہم سوے حرم روانہ ہوئے اور مسلسل دن رات سفر کیا۔

ہمارا سفر اسی طرح جاری و ساری تھا۔ مکہ مکرمہ قریب سے قریب تر ہوتا جارہا تھا۔ اچانک ہمیں راستے میں ایک نوجوان ملا، وہ بھی ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ ہمارے ساتھ ایک دن اور رات سفر کرتا رہا؛ لیکن راستے میں اس نے ایک بھی نماز نہ پڑھی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم الخواص نے اس سے فرمایا: اے نوجوان! تو کل سے ہمارے ساتھ ہے، لیکن تو نے ایک بھی نماز نہ پڑھی؛ حالاں کہ نماز' حج سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے!۔

اس نوجوان نے جواب دیا: اے شیخ! مجھ پر نماز فرض نہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تو مسلمان نہیں؟۔ اس نے کہا: نہیں، میں نصرانی ہوں، اور میں اس جنگل بیابان میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ میں توکّل میں کتنا کامل ہوں اور مجھے میرے پروردگار پر کتنا بھروسہ ہے؛ کیوں کہ میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ تو توکل میں بہت کامل ہے؛ لیکن میں نے نفس کی بات پر یقین نہ کیا اور یہ تہیہ کرلیا کہ اپنے آپ کو آزماؤں گا اور کسی ایسی جگہ جاؤں گا جہاں

میرے رب کے سوا کوئی نہ ہو، پھر وہاں دیکھوں گا کہ میرے اندر کتنا توکل ہے؛ چنانچہ میں اس جنگل بیابان میں آ گیا ہوں اور اپنے آپ کو آزما رہا ہوں۔

اُس نوجوان کی یہ بات سن کر حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ وہاں سے اُٹھے اور چلتے ہوئے مجھ سے فرمایا: اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ نوجوان بھی ہمارے ساتھ ہی چلنے لگا۔ حرم شریف سے قریب 'وادیِ مُر' میں پہنچ کر آپ نے اپنے پرانے کپڑے اُتار کر دھوئے، پھر وضو کرنے کے بعد اس نوجوان سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟۔ عرض کی: عبدالمسیح۔ آپ نے فرمایا: اے عبدالمسیح! اب حرم شریف کی حد شروع ہونے والی ہے، اور کفار کا داخلہ حرم میں ممنوع ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں فرمایا :

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۝ (سورۂ توبہ: ۲۸/۹)

مشرکین نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔

لہٰذا تم یہیں رکو اور ہرگز ہرگز حرم شریف میں داخل نہ ہونا۔ اگر تم داخل ہوئے تو ہم حکام سے تمہاری شکایت کر دیں گے۔

اتنا کہنے کے بعد ہم نے اس نوجوان کو وہیں چھوڑا اور ہم مکہ معظّمہ کی نور بار و مشکبار فضاؤں میں داخل ہو گئے۔ پھر ہم میدانِ عرفات کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں حاجیوں کا ہجوم تھا، اچانک ہم نے اسی نوجوان کو میدانِ عرفات میں دیکھا۔ اس نے حاجیوں کی طرح اِحرام باندھ رکھا تھا، اور بے تابانہ نظروں سے کسی کو تلاش کر رہا تھا؛ جوں ہی اس نے ہمیں دیکھا فوراً ہمارے پاس چلا آیا اور حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمہ کی پیشانی کو بوسہ دینے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابراہیم الخواص نے اِرشاد فرمایا: اے عبدالمسیح! تم

یہاں کیسے آ گئے؟ اس نو جوان نے عرض کی: حضور! اب میرا نام عبدالمسیح نہیں بلکہ عبداللہ ہے؛ یعنی اب میں عیسائی نہیں رہا، دامن اسلام میں داخل ہو چکا ہوں۔

آپ نے فرمایا: اپنا پورا واقعہ بیان کرو کہ تم کس طرح مسلمان ہوئے، تمہاری زندگی میں یہ انقلاب کیسے آیا؟۔

اس نوجوان نے عرض کی: حضور! جب آپ مجھے چھوڑ کر آ گئے تھے تو میں وہیں موجود رہا، اور میرے دل میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ آخر میں بھی تو دیکھوں کہ وہ مکہ معظّمہ کیسی جگہ ہے جس کی طرف مسلمان سفر وحضر کی صعوبتیں برداشت کر کے ہر سال حج کے لیے آتے ہیں۔ آخر اس میں ایسی کیا عجیب بات ہے۔ اسی خواہش کی بنا پر میں نے بھیس بدلا اور مسلمانوں جیسی حالت بنالی۔ میری خوش قسمتی کہ وہاں ایک قافلہ پہنچا جو 'حرمین شریفین' آ رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور اس قافلے میں شامل ہو گیا۔

جوں جوں ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا، میرے دل کی دنیا بدلتی جا رہی تھی۔ عجیب وغریب کیفیت کا عالم تھا، پھر جونہی میری نظر 'خانۂ کعبہ' پر پڑی، تو میرے دل سے تمام اَدیانِ باطلہ کی محبت نکل گئی، اور 'دین اسلام' کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں نے فوراً 'عیسائیت' سے توبہ کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اِختیار کر لی، اور مسلمان ہو گیا، اور اس وقت میرا دل بہت خوشی محسوس کر رہا ہے۔

قبولِ اسلام کے بعد میں نے غسل کیا، اِحرام باندھا اور دعا کی: اے اللہ! آج میری ملاقات حضرت ابراہیم الخواص سے ہو جائے۔ بارگاہِ الٰہی میں میری دعا قبول ہوئی اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمہ بہت خوش ہوئے۔ اسے خوب شفقتوں اور محبتوں سے نوازا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے حامد! دیکھ لو سچائی میں کتنی برکت ہے۔ اس نوجوان کو حق کی تلاش تھی، اور یہ اپنی طلب میں سچا تھا؛ لہٰذا اسے حق مل گیا۔ یعنی یہ

اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔ پھر وہ نوجوان ہمارے ساتھ ہی رہنے لگا اور بہت بلند مرتبہ حاصل کیا؛ بالآخر وہ دارِفنا سے دارِبقا کی طرف روانہ ہوگیا۔(۱)

بے نیاز نوجوان

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس نے دو چادریں اپنے جسم پر لی ہوئی تھیں، ایک کا تہبند اور دوسری کندھوں اور بقیہ جسم پر ڈال رکھی تھی۔ وہ خوبصورت نوجوان بھی خانۂ کعبہ کے گرد طواف کررہا تھا۔ کافی دیر تک وہ طواف کرتا رہا، پھر نماز پڑھنا شروع کردی، اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہا۔

اس کے نورانی چہرے اور زہد و عبادت کو دیکھ کر میرے دل میں اس کی عظمت بیٹھ گئی اور وہ میری نظروں میں بہت زیادہ معزز ہوگیا۔ میں روزانہ اس نوجوان کو اسی طرح طواف و نماز میں مشغول دیکھتا۔ میرے پاس چار سو درہم تھے، میں انھیں لے کر اس نوجوان کے پاس گیا، اس وقت وہ مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے تمام درہم اس کے قریب رکھ دیے اور کہا: اے میرے بھائی! یہ حقیر سا نذرانہ میری طرف سے قبول کرلو اور اس رقم کے ذریعہ اپنی ضروریات پوری کرو۔

یہ سن کر وہ نوجوان کھڑا ہوا اور تمام درہم ادھر اُدھر بکھیر کر کہنے لگا: اے ابراہیم! میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستر ہزار دینار خرچ کیے، پھر مجھے یہ حالت اور اس جگہ عبادت کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور آپ مجھے اللہ کی عبادت سے دور کرنا چاہتے ہیں، اور وہ بھی اِتنی کم رقم کے عوض!۔

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۳۲۲ تا ۳۲۴۔

حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس نوجوان کی یہ بات سن کر میں شرم سے پانی پانی ہوگیا اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقیر سمجھنے لگا، پھر میں نے وہ درہم جمع کرنا شروع کیے۔ میں زمین پر بکھرے ہوئے ان درہموں کو بٹور رہا تھا اور وہ نوجوان کھڑے ہوکر بے نیازی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ آج میری نگاہوں میں اس سے زیادہ معزز کوئی نہ تھا، اور وہ مجھے سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار نظر آرہا تھا۔ اس کے بعد پھر وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔(۱)

توکل علی اللہ کی شان

حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک جنگل میں ایک خوبصورت ترین غلام دیکھا، تو میں نے کہا: اے غلام! تو کہاں جارہا ہے؟، اس نے جواب دیا: مکہ معظّمہ۔

میں نے کہا: بغیر خرچ اور سواری کے؟ اس نے کہا: اے ضعیف الیقین وہ ذات جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کی محافظ ہے، اسے یہ طاقت نہیں کہ مجھے بغیر زادِ راہ اور بلاسواری کے مکے پہنچادے!۔

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ اس کا جواب سن کر میں مبہوت سا رہ گیا، پھر جب میں مکہ پہنچا اور حرم میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ غلام دیوانہ وار طوافِ خانۂ کعبہ میں مشغول ہے اور اس کی زبان پر یہ اشعار گردش کررہے ہیں ؎

يا عين سحي أبدا   يا نفس موتي كمدا

و لا تحبى أحدا   إلا الإلٰه الصمدا

(۱) صفۃ الصفوۃ:۴/۴۱۴......عیون الحکایات ابن الجوزی:۱/۳۸۳، ۳۸۴۔

یعنی اے چشم شوق! ہمیشہ سیر وسیاحت اور مناظر قدرت کے مشاہدے میں لگی رہ۔اے نفس! غم آخرت میں اپنی جان جان آفریں کے حوالے کردے۔ اور خدائے بے نیاز کے سوا کسی کو اپنا دوست اور محبوب نہ بنا۔

جب اس غلام نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا: اے شیخ! کیا آپ ابھی تک ضعیف الاعتقادی میں گرفتار ہیں!۔ میں نے کہا نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عین ممکن ہے۔(۱)

بات ایک غریب الوطن کی

حضرت علی بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں سترہ سال تک جنگلوں اور صحراؤں میں پھرتا رہا، اور مختلف مقامات پر اپنے رب ذوالجلال کی عبادت کرتا رہا۔

ان سترہ سالوں میں مجھے جو سب سے زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ میں نے جنگل میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے دونوں ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے تھے، اور وہ گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا، اس کے علاوہ بھی وہ بہت سی مشکلات سے دوچار تھا۔

میں اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا اور مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ میں نے قریب جا کر اسے سلام کیا، اس نے میرا نام لے کر جواب دیا۔

اس کے منہ سے اپنا نام سن کر مجھے اور بھی حیرت ہوئی، میں نے پوچھا: اللہ کے بندے! تم سے میری یہ پہلی ملاقات ہے، پھر تم نے میرا نام کیسے جان لیا؟۔

وہ نوجوان کہنے لگا: جو ذات آپ کو میرے پاس لائی ہے، اسی نے مجھے آپ کی پہچان بھی کرادی ہے!۔

---

(۱) ایقاظ الہمم شرح متن الحکم: ۱/۱۸۶...... منہاج العابدین: ۲۲۶۔

میں نے کہا: تم نے بالکل بجا کہا، واقعی میرا پروردگار ہر چاہے پر قادر ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا: کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جانے کا اِرادہ ہے؟۔

اس نے کہا: میں شہر 'بخارا' سے آ رہا ہوں اور حرمین شریفین کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ نہ اس جوان کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں، پھر یہ بخارا سے یہاں تک کیسے پہنچا اور اب یہ مکہ معظّمہ تک جانا چاہتا ہے جو یہاں سے کافی فاصلے پر ہے، یہ وہاں تک تن تنہا کیسے پہنچے گا؟، میں انھیں خیالات میں گم بڑی حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس شخص نے میری طرف جلال بھری نگاہ ڈالی اور کہا: اے ابراہیم! کیا تجھے اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ قادر وقدیر پروردگار مجھ جیسے ضعیف واَپاہج انسان کو یہاں تک کیسے لے آیا!۔

اتنا کہنے کے بعد اس کی آنکھوں سے سیلِ اشک' رواں ہو گیا، اور وہ زار وقطار رونے لگا۔ میں نے اس سے کہا: تم بالکل پریشان نہ ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت ہر شخص کے ساتھ ہے، اور وہ کسی کو مایوس نہیں فرماتا۔

پھر میں اسے وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔ میرا بھی اُس سال حج بیت اللہ کا اِرادہ تھا۔ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا اور طواف کے لیے خانۂ کعبہ میں حاضر ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہی اَپاہج نوجوان مجھ سے پہلے خانۂ کعبہ پہنچا ہوا ہے اور گھسٹ گھسٹ کر خانۂ کعبہ کے طواف میں مشغول ہے!۔ سبحان اللہ۔

نیتوں کا فرق

حضرت جنید بغدادی - رحمۃ اللہ علیہ - (م ۲۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ ایک دن میں

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۳۸۴، ۳۸۵۔

نے ایک مجوسی شخص کو دیکھا کہ وہ پرندوں کو دانہ کھلا رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم بیکار محنت کیے جارہے ہو، اس کا تمھیں کچھ بھی اَجر نہیں ملنا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ صرف مومنوں کے اعمالِ خیر قبول فرماتا ہے، اور اس کا انھیں بدلہ دیتا ہے۔

مجوسی نے یہ بات سن کر جواباً کہا: چلیں وہ قبول نہیں کرے گا تو کیا ہوا۔ اِتنا تو طے ہے کہ وہ میرے اس عمل کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ چند سالوں کے بعد قسمت نے یاوری کی اور میں حج بیت اللہ کے لیے اِحرام پوش نکلا۔ میں خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک بارونق نورانی چہرے پر پڑ گئی، ایسا لگ رہا تھا جیسے نور کی شعائیں اس کے مکھڑے سے پھوٹ رہی ہوں۔ اس شخص کے چہرے کی بشاشت وجاذبیت پر نگاہیں گاڑے ہوئے جب میں اس کے قریب ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ وہی پرندوں کو دانہ ڈالنے والا مجوسی ہے۔

طواف کے پھیرے مکمل کرنے کے بعد میں اس کے پاس گیا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ پوچھتا وہ خود ہی کہنے لگا: بلاشبہہ اللہ تعالیٰ نے جان بھی لیا اور دیکھ بھی لیا۔ یہ کہہ کر اس نے بآوازِ بلند کلمہ شہادت پڑھا، اور وہیں اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

حضرت جنید بغدادی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے غیب سے ایک آواز سنی: اے جنید! تم چوں کہ میرے گھر (خانۂ کعبہ) کی تمنا لے کر آئے تھے سو وہ تم نے پالیا۔ مگر یہ شخص میری تلاش میں نکلا تھا اور بالآخر اس نے میرا سراغ پالیا۔(۱)

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

---

(۱) Muslim Views July 2009 Vol.23 No.7

حج اور خواہشاتِ نفسانی

ایک شخص حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔آپ نے پوچھا: کہاں سے آنا ہوا؟۔عرض کی، میں حج بیت اللہ کے لیے گیا ہوا تھا۔

آپ نے پوچھا: کیا حج کرلیا؟۔اس نے جواب دیا: جی ہاں۔

آپ نے پوچھا: کیا گھر اور وطن چھوڑتے وقت سب گناہوں سے بھی دست بردار ہو گئے تھے؟۔

اس نے نفی میں جواب دیا۔

آپ نے فرمایا: پھر تم نے وطن سے سفر ہی نہیں کیا۔

اچھا جب تم گھر سے نکلے اور رات کے وقت کسی جگہ قیام کیا تو کیا طریق حق کی بھی کوئی منزل طے کی؟۔

جواب پھر نفی میں تھا۔

آپ نے فرمایا: پھر تم نے کوئی منزل طے نہیں کی۔

اچھا جب تم نے میقات پر احرام باندھا تو کیا اپنی صفاتِ بشری سے بھی روگرداں ہوئے تھے؟۔

جواب نفی میں پاکر آپ نے پھر فرمایا: تم نے احرام ہی نہیں باندھا۔

اچھا جب تم عرفات کے میدان میں کھڑے ہوئے، تو کیا کشف و مشاہدہ میں بھی کھڑا ہونا نصیب ہوا؟۔

جواب نہیں میں تھا۔

آپ نے فرمایا: تم نے وقوفِ عرفہ ہی نہیں کیا۔

اچھا جب تم مزدلفہ میں گئے اور تمہارا مقصد پورا ہوگیا تو کیا اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کردیا تھا؟۔

جواب ملا نہیں۔

فرمایا: تم نے پھر قیام مزدلفہ بھی نہیں کیا۔

اچھا جب تم نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا تو باطن کی آنکھ سے تنزیہہ (باری تعالیٰ کو ہر عیب سے منزہ سمجھنے) کے مقام میں حق تعالیٰ کے لطائف جمال کو دیکھا؟۔

جواب پھر نفی میں تھا۔

آپ نے فرمایا: تم نے طواف ہی نہیں کیا۔

اچھا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت کیا تم نے صفا اور مروہ کا درجہ سمجھا؟۔

جواب نفی میں تھا۔

آپ نے فرمایا: تم نے سعی بھی نہیں کی۔

اچھا جب منیٰ میں آئے تو کیا تمہاری حسرتیں ساقط ہوگئیں؟۔عرض کیا نہیں۔

آپ نے فرمایا: تم منیٰ بھی نہیں گئے۔

اچھا جب قربان گاہ پر قربانی دی تو کیا خواہشاتِ نفس کو بھی قربان کیا؟۔عرض کیا نہیں۔آپ نے فرمایا: تم نے قربانی بھی نہیں دی۔

اچھا رمی جمار کرتے وقت کیا تم نے اپنے من کے لات وہبل کو سنگسار کیا؟۔جواب نفی میں تھا، آپ نے فرمایا: تم نے کنکر بھی نہیں پھینکے۔

پھر تم نے حج کیا کیا!۔واپس جاؤ اور اس طریق پر حج ادا کرو؛ تاکہ مقام ابراہیم نصیب ہو۔(۱)

---

(۱) کشف المحجوب مترجمہ علامہ فضل الدین گوہر:۴۴۹۔

ایک عارفہ کا عارفانہ کلام

حضرت جعفر خلدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ کسی سال میرا تن تنہا حج بیت اللہ کے لیے جانے کا اتفاق ہوا۔ میں کعبہ معظّمہ کے بالکل قریب ہی فروکش ہوا۔ جب شام ہوئی اور رات نے اپنے پَر پھیلا دیے تو دن بھر کے تھکے ماندے لوگ آرام دہ بستروں پر خواب خرگوش کے مزے لینے لگے۔

محبت الٰہی سے سرشار دِل رکھنے والے عبادت گزاروں نے اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنا شروع کردی، تو میں بھی طواف کے اِرادے سے نکل کھڑا ہوا، دورانِ طواف کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی والہ وشیفتہ ہوکر یوں اَشعار گنگنارہی ہے ؎

أبى الحب أن يخفى و كم قد كتمته	فأصبح عند قد أناخ و طنبا
إذا اشتد شوقي هام قلبي بذكره	و إن رمت قربا من حبيبي تقربا
و يمنحني وصلا فأحيا به له	و يسكرني حتىٰ ألذ و أطربا

یعنی محبت الٰہی نے پوشیدہ رہنے سے انکار کردیا۔ اور میں نے اسے بہت بار چھپایا مگر وہ ظاہر ہوکے رہی۔ پھر اس نے میرے پاس ہی ڈیرا ڈال لیا اور مجھے اپنا مسکن بنالیا۔

جب میرا شوق شدت اختیار کرتا ہے تو محبوبِ حقیقی کی یاد سے میرا دل دیوانہ ہوجاتا ہے۔ اگر میں اپنے محبوب سے قرب حاصل کرنے کا اِرادہ کروں، تو وہ میرے قریب ہوجاتا ہے۔ اور وہ سامنے آتا ہے تو میں فنا ہوجاتی ہوں، پھر اس کی وجہ سے اسی کے لیے زندہ ہوجاتی ہوں اور وہ میری مدد کرتا ہے یہاں تک کہ میں خوب لطف محسوس کرتی ہوں اور کیف سرور سے جھومنے لگتی ہوں۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے سعادت مند لڑکی! کیا حرم کعبہ میں تجھے اس طرح کے اشعار پڑھتے ہوئے خدا کا کچھ خوف محسوس نہیں ہوتا؟۔اب وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی: اے جنید! اللہ اور اس سے محبت کرنے والوں کے درمیان آپ رخنہ نہ بنیں۔ پھر اس نے چند اَشعار پڑھے ؎

لـولا التقي لم تـرني　　　　هجرت طيب الوسن

إن الـهـوىٰ شـردني　　　　كما ترى عن وطني

قد همت من حي له　　　　فـحـبـه هـيـمــني

یعنی اگر محبوب حقیقی سے ملاقات کا معاملہ نہ ہوتا تو آپ مجھے یہاں نہ دیکھتے۔ کیوں کہ میں میٹھی میٹھی نیندیں قربان کرکے یہاں پہنچی ہوں۔ جب وہ مل گیا تو اس نے مجھے وطن سے بہت دور کر دیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، میں اسے پانے سے ڈرتی ہوں؛ لیکن اس کی محبت مجھے شوق دلاتی ہے۔

پھر کہنے لگی: اے جنید! آپ خانۂ کعبہ کا طواف کررہے ہیں، کیا آپ نے رب کعبہ کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا: تم نے ایسا دعویٰ کیا ہے جس پر دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔

یہ سن کر اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھالیا اور کہنے لگی: تو پاک ہے، تو پاک ہے، تیری شان کتنی بلند ہے، تیری بادشاہی کتنی عزت والی ہے، پتھر جیسی مخلوق خود پتھروں کا طواف کررہی ہے۔اس کے بعد پھر اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

يطوفون بالبيت العتيق تقربا إليک

و هــم أقـسى قـلـوباً مـن الصـــخر

فلو يخلصون السر جادت صفاتهم

و قامت صفات الحق منهم على الذكر

یعنی لوگ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں جب کہ اُن کے دل چٹانوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔

اگر وہ تنہائی میں مخلص ہوتے تو ان کی صفات عمدہ ہو جاتیں اور ان کی ذات میں بیان کرنے کے لیے صفاتِ حق قائم ہو جاتیں۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اس کا یہ عارفانہ کلام سن کر مجھ پر غشی طاری ہوگئی اور میں بے خود ہو کر رہ گیا۔ پھر جب ہوش میں آیا تو میں نے اس عارفہ کو بہت تلاش کیا؛ مگر کہیں نہ ملی۔(۱)

چہار خصائل درویشی

حضرت سمنون رضی اللہ عنہ (م ۲۹۸ھ) اکابر صوفیہ میں ہوئے ہیں۔ انھیں کسی نے طوافِ بیت اللہ کے دوران نہایت خوش اور ناز و اَدا سے چلتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا اے شیخ! آپ کو بارگاہِ رب العالمین میں کھڑے ہونے کی قسم دیتا ہوں مجھے بتائیں کہ آپ کس طرح اللہ کو پا گئے۔ بارگاہ رب العالمین میں کھڑے ہونے کا ذکر سن کر شیخ سمنون بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو فرمایا:

جانِ پدر! میں نے خود پر پانچ خصلتیں لازم کر لی ہیں:

جو کچھ مجھ میں زندہ تھا (خواہش نفسانی) میں نے اسے مار ڈالا اور جو شے مردہ تھی (حیاتِ دلی) اسے زندہ کر لیا۔

جو نظروں سے اوجھل تھا (عالم آخرت) میں نے اسے سامنے رکھا اور جو سامنے تھا (عیش دنیوی) اسے اوجھل کیا۔

---

(۱) الروض الفائق فی المواعظ و الرقائق:۱۹۶......روض الریاحین:۸۳تا۸۴بحوالہ بزم اولیاء:۱۵۸......عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۲/۱۰۶، ۱۰۷......طبقات الشافعیہ:۲/۱۹۹......صفۃ الصفوۃ:۳/۴۲۰۔

جو میرے نزدیک فانی تھا (تقویٰ) اسے باقی رکھا۔ اور جو شے باقی تھی (خواہش نفسانی) اسے فنا کر دیا۔

لوگ جس شے سے وحشت زدہ تھے میں نے اس سے محبت کی اور جس سے لوگ انس کرتے تھے میں نے اس سے فرار اختیار کیا۔

حضرت سمنون رضی اللہ عنہ نے اتنا فرمایا اور وہاں سے تشریف لے گئے۔ (۱)

بدنگاہی کی تباہ کاریاں

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمہ اللہ (م ۳۳۰ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک کانے شخص کو دیکھا جو اپنے طواف میں صرف ایک ہی دعا کر رہا تھا:

أعوذ بک منک.

یعنی (اے اللہ!) میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

میں نے اس سے کہا: بھلے بندے! یہ کیا دعا ہوئی؟۔ اس نے جواباً کہا: میری عمر کوئی پچاس سال سے متجاوز ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میری نگاہ ایک خوبصورت شخص پر جا کر ٹک گئی اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ اتنے میں غیب سے ایک گھونسا بر آمد ہوا جس نے مجھے اس زور سے مارا کہ میری ایک آنکھ نکل کر باہر آ گئی۔

میں بیٹھ کر وہیں کراہتا رہ گیا۔ پھر میں نے سنا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اگر تم نے مزید گناہ کیا ہوتا تو ہم بھی اپنی سزا بڑھا دیتے۔ (۲)

---

(۱) روض الریاحین: ۱۳۷ بحوالہ بزم اولیاء: ۲۲۵ تا ۲۲۶۔

(۲) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۱۶۵۔

آوارہ نگاہی پر گرفت

حضرت ابوبکر شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ (م۳۳۴ھ) کے بارے میں ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے طواف کے دوران ایک صاحب بصیرت شخص کو دیکھا، جس کی نظر طواف کرتی ہوئی ایک خوبصورت عورت پر جا کر گڑ گئی۔ نگاہوں کا چار ہونا تھا کہ اتنے میں ایک تیر (غیب سے نمودار ہوکر) اُس کی آنکھ میں چبھ گیا۔ میں لپک کر اس کی طرف بڑھا اور جلدی سے میں نے تیر کو اس کی آنکھ سے نکال کر باہر کردیا، پھر غور سے دیکھا تو اس تیر پر تحریر تھا:

نظرت بعینک إلی غیرنا فأعمیناها، ولو نظرت بقلبک إلی غیرنا لکویناه.

یعنی تو نے اپنی آنکھوں سے ہمارے علاوہ کسی اور کا نظارا کیا لہٰذا ہم نے انھیں اندھا کردیا۔ اور اگر تم اپنے دل سے ہمارے غیر کی طرف نظر کرتے تو ہم اسے بھی داغ دیتے!۔(۱)

عارفہ کنیز

حضرت محمد بن حسین سلمی رحمہ اللہ (م۴۱۲ھ) جو کہ اکابرین اولیا میں ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج بیت اللہ کے لیے گیا۔ جب طوافِ خانۂ کعبہ سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص بازارِ مکہ میں ایک نحیف و ناتواں مگر درخشندہ جبیں لونڈی کو اپنے ہاتھوں میں لیے گھوم رہا ہے، اور آواز پر آواز لگائے جارہا ہے کہ ہے کوئی اس کی چاہت رکھنے والا؟ اگر کسی کو اس سے رغبت ہو تو بس بیس دینار سے اسے خرید لے۔

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۷۔

میں خریدنے کے لیے جب آگے بڑھا، تو وہ بوڑھا شخص کہنے لگا: آپ اسے بصد شوق خریدیں؛ مگر مجھے اس کے عیوب سے معاف رکھیے گا، میں اس کی خامیوں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

میں نے کہا: بزرگ میاں! ٹھیک ہے آپ اس کے عیوب کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتے؛ مگر یہ تو بتائیں کہ اس کے اندر وہ عیوب ہیں کیا؟۔

تو وہ کہنے لگا: یہ ہمیشہ کھوئی کھوئی سی رہتی ہے......ایسا لگتا ہے جیسے ہمہ وقت کوئی بارِ غم اس پر ٹوٹ رہا ہے......ہنستی بولتی کم ہے اور سسکتی روتی زیادہ ہے......نہ معلوم کس کے عشق کا تیر اِس کے دل کے اندر چبھا ہوا ہے ...... میں اسے ہزار خوش کرنے کی کوشش کرتا ہوں؛ مگر اس کا حزن وملال کم ہونے کو نہیں آتا۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے یہ سارے عیوب مجھے منظور ہیں اور آپ اس سے بری الذمہ؛ چنانچہ میں نے اسے خرید لیا اور گھر لے آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ نیاز مندانہ میرے پاس آئی اور بڑے ہی اَدب کے ساتھ عرض گزار ہوئی: آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟۔

میں نے کہا: عراق سے۔

کہنے لگی: پھر بصرہ سے ہوں گے یا کوفہ سے؟۔

میں نے کہا: نہ بصرہ سے نہ کوفہ سے۔

کہنے لگی پھر تو آپ مدینۃ السلام بغداد سے ہوں گے۔

میں نے کہا: یہ سچ ہے۔

کہتی ہے: ہاں! کیا خوب، وہ شہر تو عابدوں اور زاہدوں کا شہر ہے، وہاں تو عاشق لوگ رہتے ہیں، اور بغداد کی بستی اہل اللہ کے حوالے سے بڑی مشہور ہے۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو کوئی خدارسیدہ لگتی ہے۔ بہرحال!۔

میں نے پوچھا: ان عاشقوں میں سے تو کسی کا نام بھی جانتی ہے؟۔

کہتی ہے: ہاں! کیوں نہیں۔ میں حضرت مالک بن دینار کو جانتی ہوں۔ حضرت حسن بصری سے واقف ہوں۔ حضرت بشر حافی کا نام سن رکھا ہے۔ وہاں معروف کرخی بستے ہیں، وہ ابوحاتم سجستانی کا علاقہ ہے، وہاں رابعہ بصریہ، شعوانہ، میمونہ وغیرہ کے علاوہ حضرت محمد بن حسین کو بھی جانتی ہوں۔

میں نے پوچھا: تم انھیں کہاں سے جانتی ہو؟۔

کہتی ہے اے جوانِ صالح! بھلا میں انھیں کیوں نہ جانوں پہچانوں، وہ لوگ تو دلوں کے معالج اور محبانِ حق کے رہنما ہیں۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ اس کی اس بات نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ اب میں نے پوچھا کہ یہ بتا تو نے جن کا نام شمار کیا ہے ان میں سے کسی کو پہچانتی بھی ہے؟۔

یہ سن کر وہ خاموش ہوگئی اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے از خود کہا: مجھی کو لوگ محمد بن حسین بغدادی کہتے ہیں۔

کہتی ہے: اے عبداللہ! میں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار! ایک بار محمد بن حسین سے میری ملاقات ضرور کرا دینا۔ اور آج وہ دعا -الحمدللہ- پوری ہوگئی۔ مگر یہ تو بتائیں کہ آپ کی وہ دلسوز آواز کیا ہوئی جس سے اہل اِرادت کے قلوب میں زندگی پیدا ہوتی تھی اور سننے والوں کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں۔ پھر وہ عرض گزار ہوئی کہ بڑا اچھا ہوتا اگر آپ مجھے وہ نغمہ لاہوتی آج کچھ سنا دیتے۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم کا آغاز کرنے کی نیت سے

جب ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا تو اس پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور پھر بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑی۔

میں نے بعجلت پانی لاکر جب اس کے بدن پر ڈالا تو اسے اِفاقہ ہوا اور ہوش میں آتے ہی کہنے لگی کہ جب اس کے نام میں اِتنی حلاوت ہے تو بروزِ محشر جب اس کا دیدار نصیب ہوگا، اس وقت کیا بنے گا!۔

کہنے لگی ابھی میری روح کی تشنگی بجھی نہیں۔ ذرا سا اور پڑھنے کی زحمت فرمائیں گے؟۔ میں نے کہا: بصد شوق۔ چنانچہ میں نے پڑھا :

وُجُوهٌ يَّومَئِذٍ مُسفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّستَبشِرَةٌ ٥

اور پڑھا :

وُجُوهٌ يَّومَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ٥

یہ سن کر وہ کہتی ہے کہ جس روز وہ اپنے دوستوں کے لیے ظاہر ہوگا مجھے اس کے ملنے کا کس قدر شوق ہوگا؟ ذرا کچھ اور پڑھیے، خدا آپ پر رحم کرے۔ چنانچہ میں نے پھر پڑھنا شروع کیا :

يَطُوفُ عَلَيهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ لَا يُصَدَّعُونَ عَنهَا وَلَا يُنزِفُونَ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ وَلَحمِ طَيرٍ مِّمَّا يَشتَهُونَ وَحُورٌ عِينٌ كَأَمثَالِ اللُّؤلُؤِ المَكنُونِ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعمَلُونَ ٥ (سورہ واقعہ:۵۶:۱۷تا۲۴)

ہمیشہ ایک ہی حال میں رہنے والے نوجوان خدمت گاران کے اِرد گرد گھومتے ہوں گے۔ کوزے، آفتابے اور چشموں سے بہتی ہوئی (شفاف) شرابِ (قربت) کے جام لے کر (حاضر خدمت رہیں گے)۔ انہیں نہ تو اُس (کے

پینے) سے دردسر کی شکایت ہوگی اور نہ ہی عقل میں فتور (اور بدمستی) آئے گی۔
اور (جنتی خدمت گزار) پھل (اور میوے) لے کر (بھی پھر رہے ہوں گے)
جنھیں وہ (مقربین) پسند کریں گے۔اور پرندوں کا گوشت بھی (دستیاب ہوگا)
جس کی وہ (اہلِ قربت) خواہش کریں گے۔اور خوبصورت کشادہ آنکھوں والی
حوریں بھی (ان کی رفاقت میں ہوں گی)۔جیسے محفوظ چھپائے ہوئے موتی ہوں۔
(یہ) ان (نیک) اعمال کی جزا ہوگی جو وہ کرتے رہے تھے۔

کہتی ہے: اے ابوعبداللہ! میرا خیال ہے کہ آپ نے حور کو پیغام تو دیا ہے؛ مگر کیا مہر کے لیے کچھ خرچ بھی کیا ہے؟۔

میں نے کہا: میں تو مفلس ہوں، بتا میں کیا کروں؟۔

اس نے کہا: نمازوں کے ساتھ شب بیداری کیجیے۔ ہمیشہ روزہ رکھیے اور فقرا ومساکین سے محبت کیجیے۔اتنا کہتے کہتے پھر اس پر غشی طاری ہوگئی، میں نے پانی کے چھینٹے دیے تو وہ ہوش میں آئی اور مناجات کرنے لگی۔رب تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کے بعد التجا کرتے کرتے خاموش ہوکر فرشِ زمین پر گر پڑی۔قبل اس کے کہ میں پانی لاکر اس پر چھینٹے مارتا اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

پھر میں بازارِ مکہ میں گیا کہ اس کے کفن دفن کا کچھ انتظام کروں۔جب کپڑے لے کر پہنچا تو دیکھ رہا ہوں کہ غیب سے اس کی تکفین کی جاچکی ہے، اس کے علاوہ اس پر سبز رنگ کے دو جنتی حلے پڑے ہیں اور قریب جاکر نگاہ دوڑائی تو اس کے ایک بازو پر لکھا تھا :

لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ .

اور دوسرے سمت پر لکھا تھا :

اَلاَ اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہِ لاَ خَوفٌ عَلَیھِمْ وَلاَ ھُمْ یَحْزَنُونَ o

پھر اس کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوکر میں اُداس و غمگین اپنے حجرے میں چلا گیا۔ دو رکعت نماز پڑھ کر سو رہا، اتنے میں وہ پردۂ خواب پر اُتری، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جنت میں لعل و جواہر کے تاج پہنے، بہشتی لباس زیب تن کیے، پاؤں میں سرخ یاقوت کی جوتیاں ڈالے، آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن و تابندہ رخسار کے ساتھ محوِ خرام ہے۔

میں نے پوچھا: اے کنیز! تجھے یہ عظیم مقام کیسے ملا؟۔

کہنے لگی: فقرا و مساکین کی محبت، استغفار کی کثرت، اور مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دِہ چیزیں دور کرنے کے باعث۔(۱)

بات ایک فرزانے کی

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ (م ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ ایک بزرگ خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران پھوٹ پھوٹ کر گریہ وزاری کر رہے تھے، اور یہ اشعار ان کی زبان پر جاری تھے ۔

و أصحبت يوم النحر و العيس ترحل

و كان حد الحادي بنا هو معجل

أ سايل عن سلمى فهل من مخبر

بأن لــه علما بها أين تنزل

لقد افسدت حجي ونسكي وعمرتي

و في السر لي شغل عن الحج مشغل

---

(۱) روض الریاحین: ۱۵۳ تا ۱۵۵۔ بحوالہ: بزم اولیاء: ۲۴۶ تا ۲۵۰۔

سأرجع من عامي لحجة قابلٍ

فإن الذي قد كان لا يتقبل

یعنی حج میں قربانی کے روز صبح ہوئی، سفید اونٹ کوچ کر رہے تھے، حدی خواں حدی پڑھ کر اونٹوں کو چلا رہا تھا اور جلدی کر رہا تھا۔

میں اپنی محبوبہ سلمٰی سے متعلق پوچھ رہا تھا، کوئی بتائے کہ وہ کہاں اُترے گی؟۔

اس محبوبہ نے تو میرا حج، میری قربانی اور میرا عمرہ سب کچھ فاسد کر کے رکھ دیا۔

اس کے فراق نے دل میں وہ کیفیت پیدا کر دی ہے جو حج سے دور کیے دیتی ہے۔

میں آئندہ سال حج کے لیے پھر جاؤں گا کیوں کہ جو حج ہو چکا وہ شرفِ قبولیت سے بہرہ ور ہونے کے قابل نہیں۔(۱)

تعظیم اکابر کی ایک جھلک

حضرت ابوالقاسم سعد بن علی بن محمد زنجانی رحمہ اللہ (م ۴۷۱ھ) اپنے وقت کے عظیم بزرگ گزرے ہیں، دنیا جہان کی آپ نے سیر کی اور مشائخ واکابر سے شرف ملاقات حاصل کیا، پھر مکہ میں جا کر مقیم ہو گئے اور شیخ حرم کے نام سے مشہور و متعارف ہو گئے۔

آپ کی عظمت و بزرگی کا عالم یہ تھا کہ جب آپ حرم میں داخل ہوتے تو پورا مطاف ان کی تعظیم میں خالی کر دیا جاتا، آپ کامل یکسوئی کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف فرماتے، لوگوں کی عقیدت کا حال یہ تھا کہ وہ سنگ اَسود سے زیادہ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے، چومتے اور اپنے سر آنکھوں پر رکھتے۔ آپ سے بہت سی کرامتیں منسوب ہیں۔(۲)

---

(۱) کشف المحجوب مترجمہ علامہ فضل الدین گوہر: ۴۴۹ تا ۴۵۰۔

(۲) صفۃ الصفوۃ: ۲۳۸/۱...... تاریخ الاسلام ذہبی: ۲۹۵/۷......

نوشتہ تقدیر ہو کے رہتا ہے

علامہ ابن جوزی کے نواسے شیخ ابومظفر فرماتے ہیں کہ ابن عقیل (م۵۱۳ھ) نے اپنے بارے میں بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایک مرتبہ میں زیارت حرمین شریفین کے لیے گیا، طوافِ خانۂ کعبہ سے فارغ ہوکر جب میں ایک طرف ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین پر بیش قیمت موتیوں کا ایک ہار پڑا ہوا ہے جس کے موتی سرخ لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، تو میں نے اسے اُٹھالیا۔

کچھ دیر کے بعد ایک بوڑھا نابینا شخص ہار تلاش کرتے کرتے اس طرف آ نکلا، وہ ہار لانے والے کے لیے سو دینار انعام کا اعلان بھی کر رہا تھا۔

میں نے ہار اسے واپس کر دیا۔ جب اس نے دینار دینا چاہے تو میں نے انکار کر دیا اور شام کی طرف رخت سفر باندھ کر نکل کھڑا ہوا، بیت المقدس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اب میرا اِرادہ بغداد واپس جانے کا تھا، مگر زادِ راہ بالکل ختم ہو چکا تھا اور بھوک نے بے تاب کر رکھا تھا۔

چنانچہ میں سردی اور بھوک کی شدت سے نڈھال ہوکر ''حلب'' کی ایک مسجد میں پہنچا تو لوگوں نے مجھے نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد انھوں نے مجھے کھانا کھلایا اور چوں کہ رمضان کی آمد آمد تھی اس لیے فرمائش کی کہ آپ رمضان میں ہمیں نماز پڑھائیں؛ کیوں کہ ہمارے امام صاحب انتقال کر چکے ہیں۔

میں نے حامی بھر لی، پھر انھوں نے کہا کہ ہمارے امام صاحب کی ایک جوان بیٹی بھی ہے۔ اس طرح انھوں نے اس سے میرا نکاح کرا دیا۔ ابھی ہمارے نکاح کو کوئی ایک سال ہی گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بیٹا عطا فرمایا؛ مگر میری بیوی اس ولادت سے بیمار پڑ گئی، اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

ایک دن میں اس کے پاس بیٹھا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک میری نظر

اس کے گلے میں پڑے ہوئے ہار پر جا کر جم گئی؛ کیوں کہ یہ بالکل وہی ہار تھا جو مجھے طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران ملا تھا۔

چنانچہ میں نے بیوی سے ہار کا سارا قصہ ذکر کیا تو وہ سن کر رونے لگی اور کہنے لگی: بخدا! آپ وہی شخص ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد میرا باپ رو رو کر یہ دعا کیا کرتا تھا :

اللّٰھم ارزق بنتي مثل الذي رد علي العقد .

یعنی اے اللہ! میری بیٹی کو اس ہار لوٹانے والے شخص جیسا نیک شوہر عطا فرما۔

ذرا سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کی دعا کو کیسے عجب انداز سے قبولیت بخشی!۔

پھر وہ دنیا سے رخصت ہوگئی اور علی ابن عقیل اس کا ہار وراثت کے طور پر لے کر یہ کہتے ہوئے بغداد لوٹ آئے کہ فصل گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد!۔(۱)

قیامت کے روز مجھے اندھا اُٹھانا

حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ (م۵۶۱ھ) کے حوالے سے شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ نے ایک بڑا ہی ایمان افروز واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں کچھ لوگ کعبۃ اللہ شریف کے قریب عبادت میں مصروف تھے، اور کچھ طوافِ کعبہ میں مشغول تھے، اچانک انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ دیوارِ کعبہ سے لپٹ کر زار و قطار رو رہا ہے اور اس کے لبوں پر یہ دعا جاری ہے :

اے اللہ! اگر میرے اَعمال تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہیں تو بروزِ قیامت مجھے اندھا اُٹھانا۔

یہ عجیب و غریب دعا سن کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا؛ چنانچہ انھوں نے دعا مانگنے والے سے اِستفسار کیا: اے شیخ! ہم تو قیامت میں عافیت کے طلبگار ہیں اور آپ اندھا اُٹھائے جانے کی دعا فرما رہے ہیں، اس میں کیا راز ہے؟۔

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۹/۴۴۹...... تاریخ الاسلام ذہبی: ۸/۸۸۔

اس شخص نے روتے ہوئے جواب دیا: میرا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے اعمال' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ کے لائق نہیں تو میں قیامت میں اس لیے اندھا اُٹھایا جانا پسند کرتا ہوں کہ مجھے لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اس عارفانہ جواب کو سن کر لوگوں کی حیرت اورفزوں ہوگئی اور وہ بہت متأثر ہوئے؛ لیکن اپنے مخاطب کو پہچانتے نہ تھے؛ اس لیے پوچھا: اے شخص! یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟، تو اس نے جواب دیا: میں سید عبدالقادر جیلانی ہوں۔(۱)

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کو.....

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ رحمۃ الباقی (م۶۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے دوران میں اپنے رفیق ہمدم حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھا، اور ہم خوش بختی سے یہ طواف شیخ عثمان نامی ایک درویش کی معیت میں کررہے تھے جو حضرت ابوبکر شبلی کی اَولاد سے ہونے کا شرف رکھتے تھے۔

ہم اِس کوشش میں تھے کہ یہ طواف بطورِ سعادت اُن کے قدموں کے نشانات پر اپنے قدم رکھتے ہوئے انجام دیں۔ لیکن خدا معلوم اُن کی فراستِ باطنی کتنی روشن تھی کہ انھوں نے فوراً ہمارے اِرادوں کو محسوس کرلیا، اور پیچھے مڑکر ہم سے مخاطب ہوئے: میرے قدموں کی چھاپ پر اِس طرح چل کر طواف کرنا شاید تمہارے حق میں نفع رساں نہ ہو۔ اگر تم واقعتاً میرے نقش قدم پر چلنے کے آرزومند ہو تو بہتر ہوگا کہ ظاہر کو چھوڑ کر میرے نورِ باطن کی اِتباع کرو۔

ہم شش وپنج میں پڑ گئے کہ یا خدا! نورِ باطن سے اِن کی کیا مراد ہے؟۔ ہماری حیرانگی کو پڑھتے ہوئے انھوں نے جواب دیا: 'میرا معمول یہ ہے کہ میں ہر روز (۱۰۰۰) ہزار مرتبہ ختم قرآن کیا کرتا ہوں'۔

(۱) فیضانِ سنت بحوالہ گلستانِ سعدی:۳۳۷۔

یہ سن کر ہماری حیرت وسراسیمگی اور بھی بڑھ گئی کہ واہ کیا خوب دعویٰ ہے؟، پھر ہم اپنی سطح سے سوچنے لگے کہ کیا کسی اِنسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ ایک دن میں (۱۰۰۰) ہزار مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت مکمل کرلے۔

سچ پوچھیں تو ہم نے اِس کو مبالغے پر محمول کیا کہ شاید وہ ہر سورہ کے دو ایک کلمات پڑھ کر قرآن ختم کر دیتے ہوں؛ مگر ابھی ہم اپنے قیاس وگمان کی وادی میں غلطاں و پیچاں ہی تھے کہ شیخ عثمان نے عالم جلال میں اپنا چہرہ ہماری طرف پھیر کر فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے مذاق کر رہا ہوں؟ غور سے سننا میں دوبارہ اپنا جملہ دوہرا رہا ہوں کہ 'میں ہر دن پورا قرآن کریم لفظ بہ لفظ پڑھ کے (۱۰۰۰) ہزار مرتبہ ختم کر لیتا ہوں'۔

اب مارے شرم کے ہم میں کچھ بولنے کا یارا نہ رہا۔ خیر! طواف ختم کرنے کے بعد ایک نجی محفل میں جب میں نے یہ واقعہ مشہور درویش حضرت مولانا علاء الدین کرمانی سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: بلاشبہہ یہ اُن کی کرامت تھی، جو تم لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکی۔ اگر سمجھ آجاتی تو وہ کرامت نہ ہوتی؛ کیوں کہ کرامت تو کہتے ہی اُسے ہیں جو عقل وتصور کے رینج میں نہ آسکے، اور اہل اللہ سے ایسے خوارقِ عادات اُمور کا ظہور عام ہے۔(۱)

بلند ہمت و پست ہمت کی پہچان

حضرت محمد بن محمد بخاری خواجہ بہاء الدین نقش بند (م ۷۹۱ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مکہ معظّمہ کے اندر دو آدمیوں کو دیکھا، ایک نہایت بلند ہمت تھا اور دوسرا نہایت پست ہمت۔ پھر آگے فرمایا کہ پست ہمت وہ تھا جسے میں نے طوافِ خانۂ کعبہ کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ خانۂ کعبہ پر ہاتھ رکھے اللہ کے سوا کو مانگ رہا تھا۔ اور بلند ہمت وہ جوان تھا جسے منیٰ کے بازار میں کم وبیش پچاس ہزار دینار کی خرید وفروخت کرتے دیکھا لیکن اس دوران ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا دل یادِ الٰہی سے غافل نہ ہوا۔

---

(۱) The Big Five Sufis of India and Pakistan, By, W.D Begg. P, 78.

حدیث ضعیف اور اُمید قوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ (م۱۳۴۰ھ) جب دوسری مرتبہ حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں طبیعت خراب ہوگئی۔ محرم کے آخری دنوں میں طبیعت ٹھیک ہوئی، تو آپ نے حمام میں غسل فرمایا۔ باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھٹا چھا گئی ہے۔ حرم شریف تک پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہوگئی۔ معاً آپ کو ایک حدیث یاد آگئی کہ ''جو بارش میں طواف کرے وہ رحمت الٰہی میں تیرتا ہے''۔

آپ نے اسی وقت حجر اَسود کو بوسہ دیا، اور طوافِ خانۂ کعبہ شروع کر دیا۔ خدا کا کرنا کہ بخار، سردی کی وجہ سے پھر لوٹ آیا۔

مولانا سید اسماعیل صاحب نے آپ کے بخار کی کیفیت کو دیکھ کر فرمایا کہ حضور! ایک ضعیف حدیث کے لیے آپ نے اپنی جان کو تکلیف میں ڈال دیا!۔

اعلیٰ حضرت نے اس موقع پر جو جواب مرحمت فرمایا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

حدیث، اگر چہ ضعیف ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ سے اُمید تو قوی ہے!۔(۱)

تحفۂ خضر

شہزادۂ حضور حجۃ الاسلام، مفسر اعظم ہند حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی بریلوی علیہ الرحمہ (م۱۳۸۵ھ) کا محبوب درود شریف یہ تھا جسے ہر موقع پر آپ گنگناتے رہتے اور دوسروں کو بھی درود پاک کی کثرت کرنے کی تلقین فرماتے رہتے :

---

(۱) ملفوظات حصہ دوم، بحوالہ: سنی علما کی حکایات: ۲۲، ۲۳۔

اللّٰہ ربُّ محمد صلّی علیه وسلما .

ایک بار آپ سے پوچھا گیا کہ ''درودِ اسم اعظم'' کیا ہے؟، آپ نے فرمایا کہ میں نے درود کے یہ مذکورہ صیغے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی بعض تصانیف اور دلائل الخیرات سے اخذ کیے ہیں اور سفر حج سے پہلے ہمیشہ اس کو پڑھتا تھا۔

۱۳۷۲ھ میں جب حج کی سعادت نصیب ہوئی تو خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران دیگر دعاؤں کے ساتھ میں اکثر اس صیغہ درود کو پڑھتا رہا۔

پھر مقام ابراہیم پر آکر دوگانہ اَدا کرلیا تو دل میں خیال اُبھرا کہ کاش اس مبارک مقام پر سیدنا خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوجاتی!، اسی خیال کے ساتھ دیکھا کہ ایک سفید پوش بزرگ میرے قریب سے گزر رہے ہیں، جنھوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور بآوازِ بلند فرمایا :

نحن عبادُ محمَّدٍ صلَّی علیه و سلَّما .

اور وہ بزرگ بغیر توقف چلتے رہے، جب پانچ سات گز کے فاصلے پر چلے گئے تو میں نے ان کے فرمائے ہوئے کلمات پر غور کیا اور اسے اپنے وردِ زباں درود مقدس کے ہم وزن پایا، تو میرے دل نے گواہی دی کہ ہو نہ ہو یہی حضرت خضر ہیں۔

پھر میں نے بعجلت اِدھر اُدھر انھیں دیکھا؛ مگر وہ نظر نہیں آئے، اس کے بعد میرا معمول ہوگیا کہ جب بھی **اللّٰه ربُّ محمد صلی علیه و سلما** پڑھتا ساتھ ہی **نحن عبادُ محمد صلی علیه و سلما** بھی ملا لیتا۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ جہانِ رضا لاہور، شمارہ ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ اپریل، بحوالہ تم پہ کروڑوں درود: ۲۶۔

مجاہد کی ضیافت کا اہتمام

حضرت قاسم بن عثمان جوعی فرماتے ہیں کہ میں نے خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا جس کی زبان پر صرف ایک ہی دعا گردش کررہی تھی :

اللّٰهم قضيت حاجة المحتاجين و حاجتي لم تقض .

یعنی مولا! تجھے دیگر حاجت مندوں کی جھولیاں تو بھر دیں مگر میں تاہنوز اپنی حاجت لیے مارا مارا پھر رہا ہوں۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور دعا کیوں نہیں مانگتے ، اس ایک ہی دعا میں کیا رکھا ہوا ہے؟ ۔تو وہ دبے لہجے میں کہنے لگا: دراصل ہوا یہ کہ ہم سات مجاہد مختلف شہروں سے جمع ہوکر ایک غزوہ میں شریک ہوئے ، اور دشمنوں کی زمین پر ہم جنگ لڑنے گئے تو بدقسمتی سے ہم اَسیر بنا لیے گئے۔

پھر کیا ہوا کہ گردن زدنی کے لیے ہمیں ایک کھلے میدان میں لایا گیا، میں نے جب آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان کے ساتوں دروازے پھٹ کھلے ہوئے ہیں اور ہر دروازے پر حوارانِ بہشت میں ایک ایک حور سراپا اِنتظار بنی ہوئی ہے۔

ہم میں سے ایک دوست کو آگے کرکے اس کی گردن ماردی گئی۔ میں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ آسمان سے ایک حور اس کی روح کو لینے کے لیے اپنے ہاتھوں میں رومال لیے زمین پر اُتر آئی۔ پھر اسی طرح میرے چھ دوستوں کی گردنیں کٹ گئیں اور وہ سب اپنے اپنے ٹھکانے لگ گئے۔ اب صرف میں بچ گیا، اور آخری آسمانی دروازے پر کھڑی ایک حور۔

جب گردن کٹانے کے لیے میں آگے بڑھا، تو مجھے بخش دیا گیا اور بادشاہ کی جناب میں لے جاکر مجھے پیش کردیا گیا؛ تو میں نے ہاتف غیب سے یہ آواز سنی : اے کم نصیب !

کس چیز نے تجھے اس عظیم دولت سے محروم کر دیا۔ پھر وہ دروازہ بھی بند ہو گیا، اور حور بھی جاتی رہی۔ پس میرے دوست ! اس عظیم موقع کے ہاتھ سے چلے جانے کے بعد میری زندگی حسرت و یاس کا نمونہ بن کر رہ گئی ہے۔

حضرت قاسم جوعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کو ان سب سے افضل سمجھتا ہوں؛ کیوں کہ اس نے وہ چیز دیکھ لی جو انھوں نے نہ دیکھی۔ اب یہ حسرت زدہ چھوڑ دیا گیا تا کہ اس نعمت کے حصول کی خاطر عمل کرتا رہے۔(۱)

عظمت عثمانی کا ایک رخ

حضرت عثمان بن موہب روایت کرتے ہیں کہ ایک مصری شخص حج کے لیے حاضر ہوا، خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران اس نے کچھ لوگوں کو صحن کعبہ میں بیٹھا ہوا دیکھ کر پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟، کہا گیا کہ یہ اہل قریش ہیں۔ پوچھا کہ ان میں وہ بزرگ کون ہیں؟، کہا گیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔

اب وہ مصری حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف متوجہ ہو کر مخاطب ہوا کہ میرے ذہن وفکر میں کچھ سوالات گردش کر رہے ہیں، نوازش ہوتی اگر آپ ان کا تصفیہ فرما دیتے !۔

کیا یہ بات سچ ہے کہ جنگ اُحد کے دن حضرت عثمان نے راہِ فرار اختیار کر لی تھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔

پوچھا: کیا یہ بات سچ ہے کہ وہ جنگ بدر میں بھی شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔

پوچھا: کیا یہ بات سچ ہے کہ وہ بیعت رضوان کے وقت بھی موجود نہ تھے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر اس مصری نے تکبیر بلند کی۔

---

(۱) المستطرف فی کل فن مستظرف: ۱/۱۴۵...... صفۃ الصفوۃ: ۲/۲۲...... عیون الحکایات ابن الجوزی: ۲/۵۷۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: سچائی تو وہی تھی جو میں نے ابھی بیان کی؛ مگر اب ان کی وجہ بھی سنتے جاؤ۔ جنگ اُحد سے جہاں تک آپ کے فرار ہونے کا تعلق ہے سو میں گواہی دے کر کہتا ہوں کہ اللہ جل مجدہ نے انھیں معاف کر دیا ہے۔

جنگ بدر میں حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ بنی کہ آپ کی زوجہ' صاجزادیِ رسول اس وقت سخت بیمار تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے خصوصی فرمان جاری کیا کہ اے عثمان! تو اپنی بیوی کی تیمارداری کر، تجھے شہید بدر کے برابر اس کا اَجر ہوگا۔

اور بیعت رضوان میں شریک نہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں (سفیر امن بنا کر) مکہ بھیج دیا تھا اور تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ پورے وادیِ مکہ میں اگر عثمان سے زیادہ کوئی عزت وعظمت کا مالک ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے بھیجتے، تو یہ بیعت رضوان دراصل اس وقت لی گئی جب آپ مکہ چلے گئے تھے۔ اب آپ کو اعزاز یہ ملا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر ان کی طرف سے بیعت لی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر نے اس شخص سے فرمایا کہ اب جاؤ، امید ہے کہ اس سے تمہارے مسئلے کا تصفیہ ہو گیا ہوگا اور تمہارا ذہنی خلجان بھی دور ہو گیا ہوگا!۔(۱)

ہر شب مکہ میں

حضرت موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں کہ ایک سال دورانِ حج میں نے حسن بن خلیل کو عرفات میں دیکھا اور ان سے کچھ باتیں بھی کیں، پھر جب خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو ایک بار پھر ان سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی، اور میں نے ان سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں کہ اللہ میرا حج قبول فرمالے۔ یہ سن کر وہ رو پڑے اور میرے حق میں قبولیت حج کی دعا فرمادی۔

---

(۱) صحیح بخاری:۱۲/۳۲حدیث:۳۴۲۲......صفۃ الصفوۃ:۱/۵۱۔

پھر جب میں لوٹ کر مصر پہنچا اور لوگوں سے کہا کہ حسن بن خلیل نے ہمارے ساتھ حج ادا کیا اور مکہ میں میری ان سے ملاقات بھی ہوئی تو لوگوں کو بڑا تعجب ہوا؛ کیوں کہ وہ اس سال حج کے لیے گئے ہی نہیں تھے۔

لوگ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے روحانی تصرفات سے ہر رات مکہ میں گزارتے ہیں؛ مگر مجھے یقین نہیں آتا تھا لیکن اس واقعہ نے اس کی تصدیق کردی۔

میری جب ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس خبر کو پھیلانے پر مجھ پر عتاب فرماتے ہوئے کہا کہ تم نے میرے اُس راز کو شہرت دے دی جسے میں راز رکھنا چاہتا تھا۔ خدارا آئندہ ملنے والوں سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔(۱)

ایک جوان کی توبہ

حضرت ابن سماک روایت کرتے ہیں کہ بنواُمیہ کا بانکا، چھریرا، خوبصورت، حسین وجمیل نوجوان موسیٰ بن محمد بن سلیمان ہاشمی اپنے عیش وعشرت، تن پروری، خوش لباسی اور ماہ وش کنیزوں اور غلاموں کی جھرمٹ میں سرمستی حیات کا عادی تھا۔

انواع واقسام کے لذائذ سے اس کا دسترخوان ہمہ وقت لبریز رہتا۔ زرق برق ملبوسات میں لپٹا مجلس طرف سجائے، رات کی رات غم وآلام دنیا سے بے خبر پڑا رہتا۔ ایک سال میں تین لاکھ تین ہزار دینار کی آمدنی تھی اور یہ ساری کی ساری دولت وہ اپنی عیاشیوں پر قربان کردیتا۔

شارع عام پر نہایت بلند وبالا خوبصورت مکان بنا رکھا تھا، جس کا گیٹ نہایت شاندار تھا، اپنے محل میں بیٹھا کبھی وسیع گزرگاہ کی رونقوں سے محظوظ ہوتا، عقبی جانب

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/۴۹۸۔

نہایت شاندار باغ لہلہارہا تھا، جس میں حسین وجمیل پھولوں کی کیاریاں قرینے سے آراستہ رہتیں، کبھی کبھی اس میں مجلس طرب سجایا کرتا تھا۔

موسیٰ کے محل میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک قبہ تھا جس میں چاندی کی میخیں تھیں اور جس کے بعض حصوں پر سنہرا جڑاؤ تھا، قبہ کے عین بیچوں بیچ قیمتی تخت خاص شہزادہ کے جلوس کے واسطے بنایا گیا تھا۔

جسم پر قیمتی لباس اور جڑاؤ عمامہ پہن کر موسیٰ اس پر بیٹھتا، اردگرد دوست واحباب کی نشستیں ہوتیں، پشت پر خدام وغلام اِیستادہ ہوتے، قبے کے باہر گویوں کے بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی، جہاں بیٹھ کر وہ اپنے نغمہ وسرور سے موسیٰ اوراس کے ہم مشربوں کا جی بہلاتے۔

مہ جمال گانے والیاں بھی کبھی رونق مجلس بڑھاتیں۔ ان میں اور مردانہ نشست گاہ میں ایک باریک پردہ حائل رہتا جسے حسب خواہش کبھی ہٹا دیا جاتا، پردہ کو جنبش دینا اس بات کا اِشارہ تھا کہ فوارۂ نغمات کا اُبال شروع ہوا اور جب گانا بند کروانا چاہتا تو اس وقت بھی محض اِشارہ کر دیتا۔

رات ڈھلے عیش وعشرت سے تھک کر ماہ وش کنیزوں میں سے جس کے ہمراہ چاہتا شب باشی کرتا۔ دن کو شطرنج ونرد کی بساطیں جمتیں، کبھی بھولے سے بھی اس کی مجلس پر موت یا کسی غم واندوہ کے تذکرے کا سایہ نہ پڑتا، اسی عالم سرمستی و شباب میں ستائیس سال گزر گئے۔

ایک رات حسب معمول سازورباب کی محفل میں بالاخانے پر بیٹھا گانے سن رہا تھا، اس کی نگاہوں کے سامنے بازار رقص وسرود گرم تھا، شراب کے جام چل رہے تھے کہ اتنے میں کہیں سے اس کی کانوں میں ایک آواز گونجی، اس پردرد آواز سے اس کے دل پر چوٹ لگی، اس کی طبیعت میں ایک تغیر آ گیا، آواز میں ایسا اُتار چڑھاؤ تھا کہ وہ ٹھیک سے سن نہیں پا رہا تھا، اس نے ہمہ تن گوش ہو کر اسے سننے کی کوشش کی، اور حکم دیا کہ یہ رقص وسرود بند کر دو۔

غلاموں سے کہا کہ یہ بھینی بھینی آواز میں کون نغمہ سرا ہے، جاؤ اسے میرے دربار لے کر آؤ۔

غلام نکل کھڑے ہوئے، ساتھ ہی ایک مسجد تھی، اندر پہنچے تو دیکھا کہ ایک جوان ہے جو شوریدہ سر پھٹی پرانی چادر اوڑھ کر اللہ کی خشیت و یاد میں دیوانہ وار مناجات کیے جا رہا ہے، جاگ جاگ کر گردن سوکھ گئی تھی، فاقے کی وجہ سے جسم پر لاغری آ گئی تھی، شدت پیاس سے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ غلاموں نے اسے مسجد سے نکالا اور شہزادے کے سامنے پیش کر دیا۔

شہزادے نے پوچھا: اے درویش صفت جوان! تم کیا گا رہے تھے، جسے سن کر میری طبیعت دگرگوں ہوگئی۔ اس نے جواب دیا: میں نغمہ لاہوتی گا رہا تھا اور اللہ کے کلام کی تلاوت کر رہا تھا۔ شہزادے نے کہا: ذرا ہمیں بھی سناؤ۔ چنانچہ اس جوان نے اس طرح پڑھنا شروع کیا:

إِنَّ الْأَبْـرَارَ لَفِي نَعِيْمٍ عَلَـى الْأَرَائِکِ يَنْظُرُونَ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَظْرَةَ النَّعِيْمِ يُسْقَـوْنَ مِنْ رَحِيْقٍ مَخْتُومٍ خِتَامُهُ مِسْکٌ وَ فِي ذٰلِکَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ وَ مِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيْمٍ عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ٥ (سورۂ مطففین: ۸۳/۲۲ تا ۲۸)

بے شک نیکوکار (راحت و مسرت سے) نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔ آپ ان کے چہروں سے ہی نعمت و راحت کی رونق اور شگفتگی معلوم کر لیں گے۔ انھیں سر بہ مہر بڑی لذیذ شرابِ طہور پلائی جائے گی۔ اس کی مہر کستوری کی ہوگی، اور (یہی وہ شراب ہے) جس کے حصول میں شائقین کو جلد کوشش کر کے سبقت لینی چاہیے۔ اور اس (شراب) میں آبِ تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ (یہ تسنیم) ایک چشمہ ہے جہاں سے صرف اہل قربت پیتے ہیں۔

یہ سن کر وہ شہزادہ ہاشمی بے اختیار چیخ پڑا اور اُٹھ کر اس جوان سے لپٹ گیا۔ درباریوں کی چھٹی کردی، اور محل کے سارے پردے گرادیے گئے، شہزادہ اسے لے کر صحن میں آ گیا اور ایک بوریا بچھا کر بیٹھ گیا، اور فریاد کرکے کہنے لگا کہ مجھے اس طرح کی کچھ اور باتیں سنا؛ چنانچہ دیر تک اس جوان نے اسے اللہ کی آیتیں، اس کے وعدے، آخرت کی نعمتیں، پھر یوں ہی اس کے دیدار کی باتوں تک مضمون کھینچ کر لے گیا۔

یہ سن کر وہ تڑپ گیا، زمین پر گر پڑا، اور سچے دل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی۔ اور سارا سیم وزر، غلام وکنیز اور جائداد وغیرہ راہِ خدا میں خیرات کردی۔ پھر اس نوجوان سے کہا کہ خدارا مجھے اپنی صحبت سے محروم نہ کرو، جہاں رہو مجھے بھی ساتھ رکھو؛ چنانچہ دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے، اور اس نے ایسی عبادت وریاضت اختیار کی اور ایسی شب خیزی واشک ریزی کی کہ اس دور کے صلحا واولیا اس کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔

پھر ٹاٹ کے کپڑے پہن کر شرم سارانہ ننگے پاؤں مکہ معظّمہ روانہ ہوگیا، حج کیا، اور وہیں اقامت اختیار کرلی۔ ایک دن وفات سے ذرا قبل وہ دیوانہ وار پچھلی رات خانۂ کعبہ کا طواف کررہا تھا، طوفِ حرم کے دوران جب وہ بابِ کعبہ کے سامنے آیا تو عرض کرنے لگا:

أتيتک عاصيا يا ذا المعالي ففرج ما ترى من سوء حالي

إلى من يرجع المملوک إلا إلى مولاه يا مولى الموالي

یعنی مولا مجھے تیری خبر نہ تھی، میں تیری معرفت سے بے خبر تھا، اور اسی بے خبری میں میں تیری نافرمانی کرتا گیا، بلندی والے رب جو میرا برا حال ہے، اسے اپنی بخشش کے ساتھ خوش حالی سے بدل دے۔ میں تیرا غلام ہوں بتا اب تجھے چھوڑ کے کدھر جاؤں، اس لیے کہ غلام اچھا ہو یا برا ہو پلٹ کر پھر اپنے مالک کے پاس ہی تو آیا کرتا ہے!۔

یہ شعر پڑھ کر وہ تڑپنے لگا اور چیخ و پکار، آہ و زاری کرتے کرتے اس نے اپنی جان جاں آفرین کے حوالے کر دی۔(۱)

الٰہی یہ ترے پُر اَسرار بندے

حضرت ابونوح سے کہتے ہیں کہ مکہ معظّمہ کے اندر ایک شخص بیان کیا کرتا تھا کہ میں نے ایک آدمی کو اس حال میں خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا کہ اس کی گریہ و بکا اور آہ و زاری رکنے کا نام نہ لیتی تھی اور ہر وقت اس کی آنکھیں چھلکی ہوئی ہوتی تھیں۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہونہ ہو یہ کوئی صاحب خیر و خبر شخص ہے؛ چنانچہ میں اس کی ٹوہ میں لگ گیا۔ جب مسجد سے نکلتا اس کے پیچھے ہو لیتا؛ لیکن اس کا معاملہ یہ تھا کہ وہ صرف آدھی رات کو باہر نکلا کرتا تھا۔

معمول کے مطابق ایک شب وہ نکلا تو میں بھی اس کے تعاقب میں نکل پڑا۔ شہر کے باہر ایک گھاٹی کے اوپر سے گزرتا ہوا وہ ایک صحرا میں پہنچ گیا؛ مگر میری اس کو مطلقاً خبر نہ تھی۔ اب وہ وہیں سے بیت اللہ الحرام کی طرف متوجہ ہو کر عرض گزار ہوا :

اے میرے پروردگار و پالنہار! گنہگاروں کو تکتے تکتے میری آنکھیں بیزار چکی تھیں، تو اگر ان سے بچاؤ کی کوئی صورت ہو تو از جلد میرے لیے پیدا فرما دے۔

پھر وہ بدن پر پڑی ہوئی ایک چادر اُتار کر خود کو اس میں چھپا کے رو بہ قبلہ اُکڑوں بیٹھ گیا۔

اتنے میں ایک شخص نے کھانے اور مشروب سے لبریز ایک طشت لا کر اس کے سامنے رکھ دیا؛ اور وہ اس سے اُٹھا اُٹھا کر کھانے لگا۔

---

(۱) روض الریاحین: ۵۷تا۶۰۔

مشروب چوں کہ اس نے اپنے ہاتھ ہی میں اُٹھا رکھا تھا تو جب اس نے پانی پی لیا، تب وہ میزبان شخص روانہ ہونے لگا۔ اب میں نے اس کا تعاقب کرنا شروع کیا کہ شاید اِس سے اُس کے کچھ حال اَحوال معلوم ہو جائیں۔

کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے زمین شق ہوگئی اور وہ اس کے اندر چلا گیا؛ کیوں کہ جب جائے واردات پر میں پہنچا تو زمین بالکل ہموار تھی۔ اس کے بعد اُس بندۂ خدا کو دیکھنے کی خواہش وتڑپ مجھ میں اور بڑھ گئی۔ اور میں نے اسے دورانِ طواف ہزار تلاشا؛ مگر پھر وہ دوبارہ مجھے ملنے سے رہا۔(۱)

اور دل' ہوش میں نہ رہا

حضرت ابراہیم السائح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے طواف خانۂ کعبہ کے دوران ایک لڑکی کو کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر یہ کہتے سنا :

يا وحشتي بعد الأنس، و يا ذلي بعد العز، و يا فقري بعد الغنى، و يا عظم مصيبتي .

یعنی ہائے! محبت الٰہی کے بعد میں تنہا ہوگئی۔ ہائے! عزت پانے کے بعد میں ذلیل ہوگئی۔ ہائے! امیری کے بعد میں فقیری میں مبتلا ہوگئی۔ ہائے! مجھ پر کتنی بڑی مصیبت نازل ہوگئی ہے!۔

میں نے پوچھا: اے لڑکی! تجھ پر کون سی مصیبت نازل ہوئی ہے؟۔

اس نے کہا: میرا دل ہوش میں نہ رہا۔ میں نے کہا: یہ تو معمولی مصیبت ہے۔ کہنے لگی: بھلا دل کی بیہوشی اور محبوب کی جدائی سے بڑھ کر بھی کوئی مصیبت ہو سکتی ہے!.

(۱) الاولیاء: ۱۴۰، رقم: ۱۰۴۔

میں نے پوچھا: تم اپنی آواز پست کیوں نہیں کرتی ؟۔

تو وہ جواباً پوچھنے لگی: بتائیے! یہ گھر کس کا ہے، آپ کا یا اللہ کا ؟۔ میں نے کہا: اللہ کا۔

کہنے لگی: یہ حرم آپ کا ہے یا خدائے تعالیٰ کا ؟۔ میں نے کہا: خدائے تعالیٰ کا۔

اس نے پھر پوچھا: اچھا یہ بتائیے کہ کون ہمیں اِس کی زیارت کی توفیق عطا فرماتا ہے؟۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ۔

تو وہ کہنے لگی: پھر مجھے میری حالت پر چھوڑ دیجیے کہ میں اس کی بارگاہ میں عاجزی وانکساری کروں، جیسا کہ اس نے ہمیں اپنے حرم شریف میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی، اوراس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر لیے اور یوں دعا کرنے لگی :

سيدي بحبك لي إلا ما رددت علي قلبي .

یعنی اے میرے پروردگار! تیری میرے ساتھ محبت کا واسطہ! میرے دل کو ہوش عطا فرمادے۔

میں نے اس سے کہا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے؟۔

اس نے جواب دیا: وہ اس طرح کہ اس کی خاص عنایت نے ہمیشہ میری طرف سبقت کی؛ کیوں کہ اس نے میری تلاش میں لشکروں کو بھیجا، اس نے مال خرچ کیے اوراس کے بندوں نے جہاد کیا یہاں تک کہ مجھے شرک کے شہر سے نکال کر توحید کی آبادی میں لا کھڑا کیا، اور پھراس نے مجھے اپنے راستے کی معرفت عطا کی اور حسن توفیق کے ساتھ اپنی بارگاہ کی طرف رہنمائی فرمائی جس کا مجھے شعور بھی نہ تھا؛ مگراب دیکھئے کہ میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ (۱)

---

(۱) الروض الفائق في المواعظ والرقائق: ۲۱۰ تا ۲۱۱۔

کمسن عارف

حضرت شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ جب سے حج بیت اللہ سے لوٹے تھے ان کا عالم ہی عجیب تھا، ملاقات کرنے والے ان کی قربت میں ایک کشش اور روحانی لذت پاتے تھے۔ خاص طور سے ان کے ہاتھوں کی خوشبو سے لوگ دیر تک محظوظ ہوتے رہتے تھے۔

وہ ایسی پاکیزہ، لطیف اور دلنواز خوشبو تھی جس کے نام اور ندرت سے عطار بھی ناواقف تھے۔ عطر گلاب، خس، کیوڑہ، اور مجموعہ ان کے ہاتھ کی خوشبو دریافت شدہ تمام عطریات سے ممتاز تھی، ہر مصافحہ کرنے والا ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر الگ کرتا تو اس جاں افروز خوشبو کو دیر تک محسوس کرتا۔

ایک روز لوگوں نے دریافت کیا کہ شیخ ابراہیم! آپ کے دست مبارک میں یہ غیر معمولی خوشبو کہاں سے آئی، اس کا راز کیا ہے؟۔

آپ نے فرمایا: ہوا یہ کہ سفر حج کے دوران وسطِ حجاز میں میں اپنے قافلہ سے بچھڑ گیا۔ میں سو رہا تھا، میری آنکھ جب کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ قافلہ جا چکا ہے۔

صحرائی علاقہ اور تیز لو کا موسم، گرم گرم ہوا چلنے لگی، میں وہاں تنہا سخت پریشان۔ نہ کوئی آبادی تھی، نہ انسان۔ لو کی تپش الگ جھلسا رہی تھی۔

اتنے میں مجھے ایک لڑکا نظر آیا، میں جلدی سے اس کی طرف لپکا یہ سوچ کر کہ کہیں یہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے، وہ ایسا حسین تھا جیسے چودہویں کا چاند یا دوپہر کا دمکتا سورج۔ قریب جا کر میں نے اسے سلام کیا۔

لڑکا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا ابراہیم۔

شیخ ابراہیم: سبحان اللہ! تم میرا نام بھی جانتے ہو، کوئی سابقہ دید و شنید تو مجھے معلوم نہیں، تم نے مجھے پہچانا کیسے؟۔

لڑکا: اے شیخ! میں نے جب سے پہچانا بھولا نہیں، اور جب سے ملا جدا نہیں ہوا۔

شیخ ابراہیم: تم اس شدید گرمی کے موسم میں بیابان کے اندر کیسے قیام پذیر ہو؟۔

لڑکا: میں نے اس کے علاوہ کسی سے دوستی نہیں کی، اور نہ کسی کی رفاقت اختیار کی اور سب سے کٹ کر اسی کی طرف جا رہا ہوں۔ بس اسی کے معبود ہونے کا اقرار ہے۔

شیخ ابراہیم: کہاں سے کھاتے پیتے ہو؟۔

لڑکا: میرا محبوب میرا ضامن ہے۔

شیخ ابراہیم: بخدا مجھے اس تیز لو، اور شدت گرمی کے باعث تیری جان کے تلف ہونے کا خوف ہے۔

لڑکا یہ بات سن کر رونے لگا اور کچھ اشعار پڑھنے لگا، جن کا منظوم مفہوم یہ ہے :

مجھ کو ناصح نہ ڈرا راہ کی کٹھنائی سے — میں ہوں بے خوف مجھے یار کے گھر جانا ہے

عشق تڑپاتا ہے شوق حوصلہ اُکساتا ہے — دوست اللہ کا انسانوں سے بیگانہ ہے

بھوک لگتی ہے تو کر لیتا ہوں اس سے سیری — ذکر پانی ہے مرا، شکر میرا دانہ ہے

دہر میں کچھ بھی نہیں اس کی عنایت کے سوا — وہی ساقی وہی ساغر وہی میخانہ ہے

قوتِ عشق مری دیکھ! مرا جسم نہ دیکھ — ناصحا! لگتا ہے تو عشق سے بیگانہ ہے

عشق ہی کوہ کن و عشق ہی طوفاں بردار — عشق سے شوق بکف دشت ہے ویرانہ ہے

بے پر و بال اُڑا کر مجھے لے جائے گا — جس کو میں جان گیا جس نے مجھے جانا ہے

شیخ ابراہیم: میں تجھے خدائے ذوالجلال کی قسم دیتا ہوں مجھے اپنی عمر صحیح صحیح بتا؟۔

لڑکا: بخدا میری عمر بارہ سال ہے، بھلا آپ میری عمر کیوں دریافت کر رہے ہیں؟۔

شیخ ابراہیم: تیری باتوں نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

لڑکا: اللہ تعالیٰ کا بیحد شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھے بہت سے ایمان والوں پر

فضیلت بخشی۔

شیخ ابراہیم کہتے ہیں میں اس بارہ سالہ عارفِ ربانی کی شیریں کلامی میں کھو گیا اور رب تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے لگا جس نے اس کمسنی میں پھول جیسے لڑکے کے دل کو اپنی محبت اور عرفان کا گہوارہ بنا دیا۔

مناجات سن کر لڑکے نے چند ثانیے کے لیے اپنا سر جھکایا پھر سر اُٹھا کر مجھے تیکھی نظروں سے دیکھا اور گویا ہوا :

اے شیخ! حقیقتاً جدا وہ ہے جسے دوست ترک کر دے، اور واصل وہ ہے جو اس کا اطاعت گزار رہے؛ مگر آپ تو صرف قافلہ حجاج سے جدا ہوئے ہیں۔

شیخ ابراہیم: صاحبزادہ تو نے بالکل سچ کہا۔ میں ایسا ہی ہوں، میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر دعا کرنے کی درخواست کرتا ہوں؛ تاکہ میں اپنے قافلہ سے جا ملوں۔

لڑکے نے آسمان کی جانب نگاہ اُٹھا کر زیرلب کچھ پڑھا (شیخ ابراہیم کہتے ہیں) اس وقت مجھ پر غنودگی طاری ہوئی، ہوش اس وقت آیا جب میرے قافلہ کے ساتھی نے مجھے مخاطب کر کے کہا: شیخ ابراہیم! سواری پر سنبھل کر بیٹھو کہیں گر نہ جانا مجھے معلوم نہیں وہ لڑکا آسمان کی جانب پرواز کر گیا یا کہاں چلا گیا؛ مگر میں اپنے قافلے میں پہنچ چکا تھا، یہ سب کیسے ہوا خود میرے لیے باعث تعجب ہے؟۔

ہمارا قافلہ مکہ معظّمہ میں داخل ہوا تو ایک دن خانۂ کعبہ کے قریب میری نگاہ ایک لڑکے پر پڑی جو دیوانہ وار طوافِ حرم کر رہا تھا اور غلافِ بیت اللہ شریف سے لپٹ کر رو رہا تھا، میں نے پہچان لیا یہ وہی لڑکا ہے، میرے قریب پہنچتے پہنچتے اس نے غلاف کعبہ کو چھوڑ کر سر سجدہ میں رکھ دیا۔ میں نے اس کے سر اٹھانے کا انتظار کیا مگر اس نے سر نہیں اٹھایا، بہت دیر بعد میں نے اس کے بدن کو جنبش دی تو وہ بے جان تھا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں لڑکے کا جنازہ وہیں چھوڑ کر اپنی قیام گاہ گیا، کفن دفن کا انتظام کرنے کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ لیے اور واپس حرم شریف میں آیا تو وہاں اسے نہیں پایا۔ لوگوں سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی کوئی خبر نہیں دی گویا میرے سوا کسی نے اس لڑکے کو زندہ یا مردہ دیکھا ہی نہیں، اور مصلحت خداوندی کے تحت اس کے احوال لوگوں سے پوشیدہ رہے مجھے اس واقعہ نے بہت فکر مند کر دیا۔

اسی رات کی بات ہے کہ میں نے خواب میں لڑکے کو دیکھا جو ایک عظیم جلوس کے آگے آگے چل رہا ہے۔ ایک نورانی بیش قیمت عبا زیب تن کیے ہوئے ہے۔ میں نے پوچھا کیا میں وہی نہیں جس کی تم سے ملاقات ہوئی تھی؟۔

لڑکا: آپ بے شک وہی ہیں!۔

شیخ ابراہیم: کیا تمہارا انتقال نہیں ہو چکا؟۔

لڑکا: بے شک میں وفات پا چکا ہوں۔

شیخ ابراہیم: تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے کفن دفن اور نماز جنازہ کی فکر میں میں کتنا پریشان ہوا؟۔

لڑکا: شیخ ابراہیم! میری تجہیز و تکفین اس ذات نے کی جس نے مجھے میرے شہر سے نکالا، اپنی محبت کا شیدا بنایا۔ مجھے میرے گھر والوں سے الگ کر کے مسافرت بخشی۔ تو میری تمام حاجتوں کا تا حیات وہی کفیل رہا۔

شیخ ابراہیم: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟۔

لڑکا: مجھے اپنے حضور کھڑا کیا، اور پوچھا: تیری مراد کیا ہے؟۔ میں نے عرض کیا مولا! تو ہی میری منزل اور تو ہی میرا مقصود ہے۔ تیرے سوا میری اور کوئی مراد نہیں، ارشاد فرمایا: تو میرا مخلص بندہ ہے۔ تیرا انعام یہ ہے کہ جس کا تو طالب ہے وہ تجھ سے پوشیدہ نہ

رہے۔ میں نے عرض کیا: بارِ الٰہا! میرے اہل زمانہ کے حق میں میری سفارش قبول کر، تو رب تعالیٰ نے میری یہ التجا قبول فرمالی۔

شیخ ابراہیم فرماتے ہیں اسی عالم خواب میں لڑکے نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں جب نیند سے بیدار ہوا تو میرے ہاتھوں میں اس عارفِ کامل لڑکے سے مصافحہ کی یہ برکت باقی رہ گئی کہ ان سے دلنواز خوشبو نکلتی ہے۔

امام ابومحمد عبداللہ بن اسعد یمنی یافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابراہیم کے ہاتھوں میں وہ خوشبو تاحیات باقی رہی اور ان سے مصافحہ کرنے والے کمسن عارف کے فیضانِ عشق سے متمتع ہوتے رہے۔(۱)

اور دینار چوری ہو گئے

حضرت فضیل بن عیاض کے صاحبزادے حضرت علی بھی تقوی وطہارت اور خدا خوفی میں اپنے باپ سے کچھ کم نہ تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ علی بن فُضیل کے کچھ دینار عین اس وقت چوری ہو گئے جب وہ خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے۔ جب انھیں اپنے دینار کی چوری کا علم ہوا تو رونے لگے۔

ان کے والد نے حیرت سے پوچھا کہ علی! کیا تم دیناروں کی وجہ سے رو رہے ہو؟۔

انھوں نے کہا: والد گرامی! مجھے اس کا کوئی غم نہیں کہ دینار چوری ہو گئے بلکہ مجھے تو اس مسکین بیچارے کے حال پر ترس آتا ہے جس سے قیامت کے دن اس چوری کے متعلق بازپرس کی جائے گی اور وہ کوئی جواب نہ دے سکے گا!۔(۲)

---

(۱) روض الریاحین: ۱۰۷تا۱۱۰ بحوالہ بزم اولیاء: ۱۸۲تا۱۸۶۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۳/۳۷۹۔

ایک بدوی کی التجائیں

حضرت محمد بن عبید بن یونس علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران میری نگاہ ایک بدوی (دیہاتی) پر پڑی جو غلافِ کعبہ تھامے آسمان کی جانب نگاہ اُٹھا کر اس طرح التجائیں کر رہا تھا:

اے وہ بہتر ذات جس کی طرف لوگ گروہ در گروہ آتے ہیں، میری زندگی کے دن گزر گئے، مجھ پر کمزوری نے غلبہ پالیا۔ اے میرے پاک پروردگار! میں تیرے معظم و مکرم گھر کی طرف اتنے گناہوں کے ساتھ آیا ہوں کہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود بھی ان کے لیے تنگ پڑ گئی ہے۔ سمندر بھی میرے گناہوں کی گندگی کو نہیں دھو سکے۔ میرے کریم پروردگار! میں تیرے عفو و کرم کے بھروسے پر تیری پناہ میں آیا ہوں۔ میں نے اپنی سواری تیرے حرم میں لا کر روک دی ہے۔ اپنا مال تیری رضا کی خاطر خرچ کر دیا ہے۔ میرے مولا! یہ سب تیری عطاؤں کے خزانے سے ہے۔

پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور بآواز بلند کہنے لگا:

اے لوگو! اس کے لیے دعا کرو جسے اس کی خطاؤں نے گھیر رکھا ہے، جس پر مصیبتوں اور پریشانیوں نے غلبہ پالیا ہے۔ میرے بھائیو! غریب و مفلس بیچارے پر رحم کرو، میں تمہیں اسی شوق و رغبت کا واسطہ دیتا ہوں جو تمہیں دربارِ الٰہی تک کھینچ لایا ہے۔ میرے لیے دعا کرو کہ میرا پاک پروردگار میرے جرموں کو معاف فرما کر میرے گناہوں سے درگزر فرمائے۔

یہ کہہ کر وہ دوبارہ خانۂ کعبہ کا غلاف پکڑ کر مصروف التجا ہو گیا اور عرض کرنے لگا:

اے میرے مالک و مولا! تیرا بندہ بڑے بڑے گناہوں کی وجہ سے کرب و غم میں مبتلا ہو گیا ہے، کچھ بھی نیکیاں پلے نہیں۔ اے میرے کریم پروردگار! مجھ

غریب ونادار کو اپنی رحمتِ خاصہ کے سائے میں جگہ عطا فرما۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے میدانِ عرفات میں پھر اُسی بدوی کو دیکھا، وہ اپنا بایاں ہاتھ سر پر رکھے ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا اور اس کی زبان پر یہ اَلفاظ جاری تھے :

اے میرے خالق و مالک! باغات' کلیوں کے ساتھ مسکراتے ہیں، آسمان رحمت کی بارش برساتا ہے۔ اس انعام و اِکرام کا واسطہ جو تو نے اپنے محبین کو عطا فرماتا ہے، میرا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ تو اپنے چاہنے والوں کو اپنی رضا عطا فرماتا ہے، اور کیوں نہ ہو تو ہر اس شخص سے محبت کرتا ہے جو تجھ سے محبت کرتا ہے، جو تیری طرف لو لگاتا ہے تو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتا ہے۔ میرے پروردگار! ہر ہر شے تیری مشتاق ہے۔ میرے مولا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل کو بھی اپنا مشتاق بنالے، مجھے بھی اپنی رحمت کی دولت عطا فرمادے، اور میری گردن کو جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرمادے۔(۱)

رِزق بندے کی تلاش میں

حضرت ابو یعقوب اقطع بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حرم الٰہی میں تھا، خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران مجھے بھوک کا اِحساس ہوا؛ کیوں کہ دس دن سے کوئی چیز مجھے کھانے کو نہ ملی تھی۔ جب مجھ پر ضعف غالب آنے لگا تو سوچا کہ باہر چلتے ہیں شاید کچھ کھانے کو مل جائے۔

چنانچہ اسی نیت سے میں جنگل کی طرف نکل پڑا۔ میں ایک شلجم کو زمین پر پڑا دیکھا، اور اُٹھالیا؛ مگر پھر خیال آیا کہ دس روز فاقے سے رہا اور آخر کو لیا تو ایک سڑا شلجم لیا۔ پھر میں نے اس شلجم کو پھینک دیا اور حرم شریف میں واپس چلا گیا۔

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۲۷۸۔

ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ ایک آدمی آیا جس پر آثارِ سفر ہویدا تھے، اور آ کر میرے سامنے بیٹھتے ہی ایک تھیلا نکالا اور کہا کہ یہ آپ ہی کے لیے ہے۔

میں نے پوچھا: تم نے مجھ کو کیوں کر خصوصیت دی ؟۔

اس شخص نے جواب دیا: ہم دس روز سے سمندر میں تھے۔ ہماری کشتی طوفان میں گھر گئی تھی، قریب تھا کہ ہم ڈوب جاتے۔ سو میں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ڈوبنے سے بچالے تو میں یہ تھیلا فقراء میں سے اس شخص کو دوں گا جو حرم شریف میں سب سے پہلے مل جائے اور یہاں آ کر مجھے تم ہی نظر پڑے ہو۔

میں نے کہا: اچھا، تو اسے کھولو۔ اس نے کھولا، تو اس میں مصری، میدہ، مغز بادام، اور برفی بھری ہوئی ملی۔ میں نے ہر چیز میں سے ایک ایک مٹھی لے لی اور اس سے کہا: باقی چیزیں تم لے جاؤ، میری طرف سے اپنے ساتھیوں کو بطورِ ہدیہ دے دینا۔ میں نے تمہاری نذر قبول کر لی۔

وہ آدمی باقی چیزیں لے کر چلا گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اے ابو یعقوب! تیرا رزق تو دس روز کی مسافت سے چل کر آتا ہے اور تو اسے جنگل میں جا کر ڈھونڈتا ہے۔(۱)

ماں کی عظمت شان

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان شخص اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کیے ہوئے طواف کر رہا ہے اور اس کی زبان پر یہ اشعار جاری ہیں ۔

(۱) احیاء علوم الدین: ۳۶۶/۳ ...... روض الریاحین فی حکایات الصالحین: ۶۵۔

أنـــا لـهـــا مطيــة لا تــذعــر إذ الـر كائب نفرت لا تنفر

ما حملت و أرضعتني أكثر اللّٰه ربي ذو الجلال الأكبر

یعنی آج میں اپنی ماں کے لیے سواری بنا ہوا ہوں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے!۔ اگر سوار نفرت کریں تب بھی (سعادتمندی یہی ہے کہ) تم کسی نفرت کا مظاہرہ نہ کرو۔

ذرا سوچو کہ اس نے مجھے جو (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اور فطری غذا سے سیراب کرتی رہی، اس کے مقابلے میں تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بلا شبہہ میرا پروردگار بڑی عظمت وشان والا ہے۔(۱)

صبر کا پھل

طواف بیت اللہ کے دوران شیخ ابوالحسن سراج کی نظر ایک عورت پر پڑی جو نہایت ہی حسین وجمیل اور خوبرو تھی۔ شیخ نے اپنے آپ سے کہا: بخدا میں نے آج تک ایسا حسین چہرہ نہیں دیکھا۔ شاید یہ اس کی خوشحالی اور فکر وغم کی آزادی کی وجہ سے ہے۔

عورت نے شیخ کی بات سن لی۔ اس نے کہا: کیا کہہ رہے ہیں؟ واللہ میں غموں میں گرفتار اور فکروں سے زخمی ہوں اور کوئی میرے ساتھ میرا غم بانٹنے والا نہیں!۔

شیخ نے کہا: تجھے کیا غم ہے؟۔

عورت بولی: میرے شوہر نے ایک بکری کی قربانی کی۔ میرے دو ننھے منے چھوٹے لڑکے کھیل رہے تھے، ایک شیر خوار گود میں تھا، میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ دونوں لڑکوں میں سے بڑے نے دوسرے سے کہا: آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ابا جان نے بکری کو

(۱) تفسیر السراج المنیر :۱/۲۰۷۔

کیسے ذبح کیا؛ چنانچہ چھوٹے نے کہا: ہاں بتاؤ۔ بڑے نے چھری ہاتھ میں لی، بھائی کو زمین پر لٹایا اور ذبح کر دیا۔

بھائی کا خون اور اس کا تڑپنا دیکھ کر وہ خود پہاڑ پر بھاگ گیا، اس کا باپ اس کی تلاش میں گیا؛ مگر اسے نہ پا سکا؛ کیوں کہ اس بیٹے کو بھیڑیے نے پھاڑ کھایا تھا۔ میرا شوہر بھی پہاڑ سے زندہ نہ واپس آسکا، پیاس کی شدت اور گرمی نے اس کی بھی جان لے لی۔

ذبح شدہ لڑکے کی آواز سن کر میں اسے دیکھنے گئی اور شیر خوار بچہ کو چولہے کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ اس نے گرم ہانڈی اپنے اوپر انڈیل لی اور جل کر ہلاک ہو گیا۔

ان تمام بچوں سے بڑی میری ایک بیٹی بھی تھی جس کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے گھر رہتی تھی۔ ان واقعات کی خبر اس کو پہنچی تو وہ صدمہ کو برداشت نہ کر سکی اور زمین پر تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اب صرف تنہا میں رہ گئی ہوں جو ان تمام غموں کا بوجھ لیے چل رہی ہوں۔

شیخ ابوالحسن نے سنا تو سخت متعجب ہوئے اور پوچھا: آخر تم اِن پر صبر کیسے کرتی ہو عورت نے جواب دیا۔ جو بھی صبر اور بے صبری کو الگ الگ کر دے اسے دونوں کے درمیان نمایاں راہ مل جائے گی۔ خوش حالی ظاہر کر کے اگر صبر کر لیا تو اس کا انجام بہتر اور اس کا پھل میٹھا ہے اور اگر بے صبری میں مبتلا رہا تو اس کا کوئی اَجر و عوض نہ پائے گا۔

عورت نے شیخ سے یہ بات کہی اور ان کے پاس سے چلی گئی۔(۱)

ورنہ سر قلم کر دوں گا!

حجاج بن یوسف ایک مرتبہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک نابینا شخص بھی بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے اور طواف کرتے ہوئے دعا کر رہا ہے :

(۱) روض الریاحین: ۱۳۳ بحوالہ بزم اولیاء: ۲۱۹ تا ۲۲۰۔

اے اللہ! میری بینائی مجھے واپس لوٹا دے، میری بینائی مجھے واپس لوٹا دے۔

حجاج بن یوسف اس وقت تک تین چکر لگا چکا تھا۔اس نے اس نابینا سے کہا کہ ارے میاں! میرے چار چکر رہ گئے ہیں، اگر ان چار چکروں کے پورا ہونے پر بھی تیری بینائی واپس نہ آئی تو میں تیرا سر قلم کر دوں گا۔

پہلے تو اس شخص کو صرف اپنی بینائی کی فکر تھی اب اپنی جان کے بھی لالے پڑ گئے تھے؛ اس لیے کہ حجاج تو ظالم تھا۔سر قلم کر دینا اس کے لیے بڑا آسان کام تھا۔

اب اس نابینا نے اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری شروع کی، اور ایسے اضطراب، بے چینی اور بے قراری کے ساتھ دعا مانگی کہ ابھی حجاج کا طواف پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ اللہ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔

ایسے قاضی کے لیے ہلاکت!

یعقوب بن یوسف کوفی کہتے ہیں کہ میں نے خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کچھ اس طرح دعا مانگ رہا ہے :

اللّٰهم اغفرلي و ما أراک تفعل .

اے اللہ! مجھے معاف فرما دے؛ مگر لگتا نہیں ہے کہ تو مجھے معاف کرے گا۔

اس کی یہ دعا مجھے بڑی عجیب لگی؛ چنانچہ اس کے قریب جا کر میں نے کہا :

ما أعجب يأسک من عفو اللّٰه .

(اللہ کے گھر میں کھڑے ہو کر) اللہ کی بخشش اور معافی سے نا اُمید ہوتے ہو، یہ تو بہت ہی تعجب کی بات ہے!۔

کہنے لگا: میں ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں؛ اس لیے مجھے اپنی معافی کی قطعاً امید نہیں ہے۔

میں نے اس سے پوچھا: ذرا مجھے بھی بتاؤ۔ چنانچہ اس نے اپنا قصہ کچھ اس طرح بیان کیا :

میں یحییٰ بن محمد کے ساتھ موصل کی بغاوت کو فرو کرنے والوں میں شامل تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ ہم نے بہت سارے لوگوں کو قتل کیا اور شہر پر قبضہ کرلیا۔ اب ایک منادی کرنے والے نے حاکم کی طرف سے اعلان کیا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور اطاعت قبول کرے اس کو اَمان دی جاتی ہے۔ اس کے گھر اور اس میں جو کچھ بھی ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاتی ہے؛ لٰہذا کوئی شخص گھر سے نہ نکلے۔

بے شمار لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے، میں اس وقت نوجوان تھا۔ اقتدار اور قوت کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ میں نے ایک گھر کا انتخاب کیا اور تلوار لہراتا ہوا اس میں جا گھسا۔ اس گھر میں میاں بیوی اور ان کے دو بیٹے تھے۔

خاوند سامنے آیا۔ اس نے مجھ سے سوال و جواب کرنے چاہے تو میں نے دفعتاً اسے قتل کر دیا۔ اس کی بیوی چیخنے اور چلانے لگی اور مجھ سے امن کی طالب ہوئی۔ میں نے کہا: گھر میں جو کچھ نقدی اور سونا چاندی ہے میرے حوالے کر دو، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ گھرانہ مجھے میں خاصا امیر کبیر نظر آتا تھا۔ مجھے یہاں سے خاصی دولت ہاتھ لگنے کی اُمید تھی۔ وہ عورت اندر گئی اور سات دینار لے کر آ گئی۔

میں نے اس سے کہا: یہ بہت تھوڑے ہیں، اور لے کر آؤ۔

عورت نے کہا: گھر میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جو میں تمہیں دوں۔

میں نے تلوار اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی اور کہا: بد بخت! فوراً اندر سے مزید مال لے کر آؤ؛ ورنہ میں تمہارے ایک بیٹے کو اس کے باپ کے پاس پہنچا دوں گا۔

عورت نے ہاتھ جوڑ دیے اور لگی قسمیں کھانے کہ گھر میں صرف یہی کچھ ہے۔ میں نے اس کا اعتبار نہ کیا۔ اس دوران اس کا بیٹا آگے بڑھا تو میں نے اس پر تلوار کا وار کیا اور

اسے قتل کر دیا۔ اب میں نے دوبارہ اس عورت سے کہا :

اب بھی تمہارے پاس وقت ہے، جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ؛ ورنہ تمہارے دوسرے بیٹے کو بھی قتل کر دوں گا۔ جب اس عورت نے میری جفا کو دیکھا تو کہنے لگی: مجھ پر رحم کھاؤ۔ میرے پاس اپنے خاوند کا عطا کردہ ایک عطیہ ہے، میں وہ لے کر آتی ہوں۔

چنانچہ وہ اندر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد سونے کی ایک زرہ لے کر آ گئی۔ میں نے آج تک اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت زرہ نہیں دیکھی تھی۔

میں نے اسے ہاتھوں میں لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس زرہ پر سونے کے پانی سے یہ لکھا ہوا تھا :

إذا جــــار الأمير وحاجباه　　وقاضي الأرض أسرف في القضاء

فـويل ثم ويــل ثم ويـــل　　لقاضي الأرض من قاضي السماء

یعنی جب امیر اور اس کے حاشیہ بردار ظلم وستم کرنے کرنے پر اُتر آئیں، اور دنیا کے قاضی اپنے فیصلوں میں زیادتی کرنے لگیں تو پھر اس دنیا کے قاضی کے لیے آسمانوں کے حاکم اور قاضی کی طرف سے ہلاکت ہے، ہلاکت ہے۔

یہ شعر پڑھنے کے بعد وہ تلوار میرے ہاتھوں سے گر پڑی، میرے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا، اور میں نہایت شرمندہ اور ذلیل وخوار ہو کر وہاں سے نکل آیا۔(۱)

قصہ پچاس جھوٹی حدیث والے کا

حضرت ابو شیبہ بیان کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ میرے آگے آگے چل رہا ہے اور کچھ عجیب سی دعا کر رہا ہے :

اللّٰهم اغفرلي، وما أراك تفعل .

---

(۱) امالی الزجاجی: ۱/۱۳۔

اے پروردگار مجھے معاف فرمادے؛ لیکن مجھے لگتا نہیں کہ تو معاف کرے گا۔

میں نے اس شخص سے متعجبانہ انداز میں پوچھا: اے شخص! تیری نا اُمیدی تیرے گناہ سے زیادہ لگ رہی ہے!۔

اس نے میری بات سن کر لا پروائی کے انداز میں کہا: اپنا دیکھئے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔ میں نے کہا: بہتر ہوتا کہ تم مجھے اپنی داستانِ غم سناتے!۔ چنانچہ وہ کہنے لگا: بات یہ ہے کہ میں نے پچاس جھوٹی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے روایت کردی ہیں، اور وہ لوگوں میں اس قدر مروّج وشائع ہوچکی ہیں کہ ان میں سے ایک حدیث کو بھی واپس لینا میرے بس سے باہر ہے!۔(۱)

خانۂ خدا کے ساتھ عشق لگاؤ

قبیلہ بنی مخزوم کی حکیمۃ نامی ایک عورت کا خانۂ کعبہ کے ساتھ ایسا دلی لگاؤ تھا کہ ایک لمحے کے لیے اس کا فراق اسے برداشت نہ تھا۔ جب کبھی وہ خانۂ کعبہ کھلتا دیکھتی چیخ اُٹھتی اور اس قدر زاروقطار روتی جس طرح نوحہ گر عورتیں رویا کرتی ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا کہ اس پر غشی طاری ہوجاتی۔ مسجد حرام سے نکلنا اس کے لیے قیامت بن جاتا، سوائے طبعی ضرورتوں کے کبھی وہ باہر نہ جاتی تھی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ خانۂ کعبہ کھلا اور وہ کسی ضرورت سے باہر چلی گئی تھی، جب واپس آئی تو اس کی ہم مجلس ایک عورت نے کہا: آج جس شان سے پروردگار کا گھر کھلا اور طواف کرنے والے جس طرح دیوانہ وار طواف کررہے تھے اور خانۂ کعبہ کھلتے ہی جس طرح مالک ومولا کی طرف سے ان پر انوار وتجلیات کا چھڑکاؤ ہوا اگر تم دیکھ لیتی تو تمہاری آنکھ ٹھنڈی ہوجاتی!۔

---

(۱) الموضوعات ابن الجوزی: ۱/۴۹......اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعہ: ۲/۳۹۳۔

اتنا سننا تھا کہ حکیمہ زور سے چیخ مار کر زمین پر گرگئی اور دیر تک یوں ہی تڑپتی رہی، کچھ دیر کے بعد جب دیکھا گیا تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔(۱)

ایک مجرب دعا اور اس کی برکتیں

کسی مردِ صالح کا قول ہے کہ میں نے ایک شخص کو خانۂ کعبہ کے اَندر نہایت الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا :

اللّٰھم بحق صائمي عرفة لا تحرمني ثواب عرفة .

یعنی اے پروردگار! یوم عرفہ میں میرے روزہ دار رہنے کے طفیل آج تو مجھے ثوابِ عرفہ سے محروم نہ رکھنا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اس خاص دعا کے پڑھنے کا کیا پس منظر ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میرے والد یوں ہی دعا مانگا کرتے تھے۔ جب اُن کا اِنتقال ہوا تو میں نے انھیں خواب میں دیکھ کر پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟۔

فرمایا: اس دعا کی برکت سے اس نے میری مغفرت فرمادی، اور جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو میرے پاس ایک نور ظاہر ہوا۔ اور مجھ سے کہا گیا کہ یہی ’ثوابِ عرفہ‘‘ ہے، آج ہم اس کی شکل میں تم پر اپنا اِنعام واِکرام کررہے ہیں۔(۲)

رجوع واِنابت کی برکات

ایک مردِ صالح کا بیان ہے کہ میں نے ایک لونڈی کو خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے دیکھا جو کچھ اس طرح دعا کررہی تھی :

’کیا تم سمجھتے ہو کہ میں مقبول ہوجاؤں گی اور میری لغزش معاف ہوجائے گی‘۔

---

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۱۹۴تا۱۹۵......صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۴۰۔

(۲) نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس: ۱/۱۵۹۔

میں نے اس سے پوچھا: تیرا جرم وقصور ہے کیا؟۔

وہ کہنے لگی: دراصل میں ایک بدکار عورت ہوں۔ ایک دن میں گھر سے باہر نکلی، ایک اعرابی سے محوِ گفتگو تھی کہ اتنے میں کوئی غیبی آواز میرے کانوں سے ٹکراتی ہوئی گزری کہ اے ملعونہ! تمھیں اللہ کے بندوں کو ورغلانے میں بڑی مہارت ہے۔

میں نے پوچھا: تم کون ہو؟ تو کہا: میں 'رقیب' ہوں، میرے پاس جو تمہارا نامہ اعمال پڑا ہے اس میں کہیں کوئی نیکی نظر نہیں آرہی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ تو نے اس بندے کے نامہ اعمال کو بھی برائیوں سے بھر دیا ہے!۔

میں نے اس سے پوچھا: اگر میں صدق دل سے توبہ کرلوں تو کیا قبول ہوجائے گی؟ اس نے کہا: توبہ اور وہ بھی تم جیسی بدکار عورت کے لیے!۔

پھر کیا تھا میں وقت وحالات کی پرواہ کیے بغیر اِس بال والے پوشاک کو زیب تن کرکے نکل پڑی، اور میں نے کہا: شاید میری توبہ مقبول ہوجائے؛ کیوں کہ میں اس کی جانب ٹوٹ کر رجوع لائی ہوں۔

کہتے ہیں وہ ابھی مشغولِ کلام ہی تھی کہ پھر ایک ندائے غیبی آئی: ہم نے تمہارے توبہ کے ساتھ ساتھ تمھیں بھی قبول کرلیا۔

اتنا سن کر وہ سسکی، پھر ایک گہری سانس لے کر دنیا کو ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے گئی - اللہ اس پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے -(۱)

دعاؤں کی پرواز

کسی مردِ درویش کا قول ہے کہ میں نے طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران ایک لونڈی کو یہ دعا مانگتے ہوئے دیکھا:

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱۲/۱۔

يا كريم، عهدك القديم، و إني علىٰ عهدك مقيمة .

یعنی اے کریم! تو نے بہت پہلے ہی عہد کر رکھا ہے، اور میں تا ہنوز تیرے وعدے پر قائم ہوں۔

میں نے پوچھا: اے لونڈی! تمہارے اور اس کے درمیان کیسا عہد ہے؟۔

کہا: میرے بھائی! وہ بڑا انوکھا عہد ہے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ہم سمندر میں تھے کہ اچانک ہوا اُٹھی جس نے سفینے میں سوار سارے مسافروں کو سمندر کی لہروں کی نذر کر دیا، پورا سفینہ غرق آب ہو گیا اور میرے اور اِس بچے کے سوا اور کوئی نہ بچا؛ چنانچہ ایک تختے پر میں اور دوسرے تختے پر ایک سیاہ فام شخص سطح آب پر ٹکے رہے۔

صبح ہوئی تو وہ سیاہ فام اپنی کہنیوں سے پانی چیرتا ہوا میرے پاس آ پہنچا، اور ہمارے ہی تختے پر آ کر وہ بھی کھڑا ہو گیا، اور پھر مجھے لبھانے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے کہا: اللہ کے بندے! کتنی مشکل گھڑی میں گھرے ہو، محض طاعت وتقویٰ ہی اس آفت ناگہانی سے ہمیں نجات دلا سکتا ہے، اور حیرت ہے تمھیں اس وقت گناہ کی سوجھی ہے؟۔

کہا: تبلیغ کرنا بند کرو، میں نے جو کہہ دیا وہ کر کے چھوڑوں گا۔ اتنا کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور بچے کو مجھ سے چھین کر سمندر کی لہروں کی نذر کر دیا۔

میں نے اپنی نگاہیں آسمان کی جانب بلند کر کے عرض کیا :

يا من يحول بين المرء و قلبه ، حل بيني و بين هٰذا الأسود بحولك و قوتك إنك علىٰ كل شيىء قدير .

یعنی اے وہ ذات جو انسان اور اس کے دل کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے، میرے اور اس سیاہ فام کے درمیان اپنی طاقت وقوت سے آ کر آڑ بن جا، اور بے شک تجھے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

اتنے میں کوئی سمندری جانور منہ پھاڑے ہوئے برآمد ہوا اور اس سیاہ فام کو نگل کر پھر سمندر میں غائب ہوگیا۔ اب میں موجوں کے درمیان دائیں بائیں ہچکولے کھاتی بلکہ جھولے جھولتی رہی، حتیٰ کہ میں جزیرۂ عرب کے کسی ساحل پر آ پہنچی۔

میں نے ساحل پر موجود لوگوں سے جب اپنا معجزاتی قصہ غم سنایا تو وہ ورطۂ حیرت وتعجب میں آ گئے اور اپنا سر پیٹ کر کہنے لگے: تو نے تو ہمیں ایک عجیب وغریب بات بتائی۔ اب لو ہم تمھیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات بتا رہے ہیں۔

ہوا یہ کہ ہم سب خود بھی سمندر کے اندر محوسفر تھے، اتنے میں ایک سمندری جانور رہویدا ہوا اور ہمارے سامنے آ کر کھڑا ہوگیا جس کی پشت پر ایک بچہ سوار تھا، اور ہاتف غیب سے ایک آواز سنائی دے رہی تھی :

خذوا عني هٰذا الطفل من فوق ظهري و إلا أهلكتكم .

یعنی اس بچے کو جانور کی پشت سے اُٹھا لو ورنہ تمھیں ہلاک کر دیا جائے گا۔

تو ہم میں سے ایک نے ہمت کر کے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بچے کو اس کی پشت سے اُٹھا لیا اور وہ جانور پھر سمندر کے اندر دم ہلاتا روپوش ہوگیا۔ پھر ہم سب نے اللہ سے یہ عہد کیا کہ آج کے بعد کبھی بھی اس کی نافرمانی کے کام نہ کریں گے۔

(واقعہ کی نوعیت جاننے کے بعد) انھوں نے وہ بچہ میرے حوالے کر دیا۔

یہ واقعہ قدرت کی حیرت انگیز نشانیوں میں سے ایک ہے۔(۱)

اندازِ دعا کی ندرت

ایک جوان طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران غلافِ کعبہ پکڑے بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار تھا، اے پروردگار! اس گھر کی زیارت کو شرعاً حج کہتے ہیں، اور کلمہ حج میں دو حرف ہیں :

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۲۱۔

ح اور ج۔اے میرے مالک ومولا! اگر ح سے تیرا حلم اور ج سے میرے جرم مراد ہیں تو تو اپنے حلم سے میرے جرم کو معاف فرمادے۔

آواز آئی اے میرے بندے! تو نے کیسی عمدہ مناجات کی، پھر سے دعا مانگو۔

وہ جوان دوبارہ نئے انداز سے یوں عرض پرداز ہوا: اے میرے غفار! تیری مغفرت کا دریا گنہ گاروں کی مغفرت وبخشش کے لیے ہمہ وقت رواں دواں ہے، اور تیری رحمت کا خزانہ ہر سوالی کے لیے ہر آن کھلا ہے۔

الٰہی! اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور حج میں دو حرف ہیں: ح اور ج۔ اگر ح سے میری حاجت اور ج سے تیرا جود مراد ہے تو تو اپنے جودوکرم سے اس مسکین وفقیر کی حاجت ومراد پوری فرمادے۔

آواز آئی اے جواں مرد تو نے کیا خوب حمد وثنا کی۔ پھر سے دعا مانگو، تمہارا اندازِ دعا بڑا منفرد ہے۔ اس نے کہا: اے خالق کائنات! تیری ذات وہ ذات ہے جس نے عافیت کا پردہ اہل اسلام کو مرحمت فرمایا۔ اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور حج میں دو حرف ہیں: ح اور ج۔ اے میرے پالنہار! اگر ح سے میری ایمانی حلاوت اور ج سے تیری جہاں داری کی جلالت مراد ہے تو تو اپنی جہانداری کی جلالت کی برکت سے اس ضعیف وناتواں کے ایمان کی حلاوت کو شیطان کی گھات سے محفوظ فرمادے۔

آواز آئی اے میرے مخلص اور عاشق صادق بندے! میرے حلم، میرے جود، اور میری جہان داری کی جلالت سے جو کچھ تو نے طلب کیا، میں نے تجھے عطا کیا، ہمارا تو کام ہی یہی ہے کہ ہر مانگنے والے کا دامن مرادا بھر دیں؛ مگر کوئی جی لگا کے مانگے تو سہی ۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دِکھلائیں کسے رہ روِ منزل ہی نہیں

مقصود ترا جلوہ ہے

ایک عارفہ خاتون کو لوگوں نے دیکھا کہ خانۂ کعبہ کا دیوانہ وار طواف کررہی ہیں اور بیت اللہ کا غلاف تھام کر عرض گزار ہیں :

اے دلوں کے محبوب! میرا تیرے سوا کون ہے؟۔تو ہی اپنے زائر پر رحم فرما۔ اب صبر کا یارا نہیں۔ تیرے شوق کی فراوانی ہے۔ دل کو تیرے سوا کسی کی محبت گوارا نہیں۔تو ہی میرا سوال ہے۔تو ہی میری آرزو ہے، اور تو ہی میری مراد ہے۔کاش! مجھے اس بات کا علم ہو کہ تیری ملاقات کب نصیب ہوگی۔ میرا مقصود جنت کی نعمتیں نہیں ؛ مگر ہاں! جنت چاہتی ہوں تو صرف اس لیے کہ وہاں تیرا دیدار نصیب ہوگا۔(۱)

جہنم سے نجات کا پروانہ

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک خدارسیدہ فقیر خانۂ کعبہ کا دیوانہ وار طواف کررہا تھا، اس کی دیوانگی کو دیکھ کر کچھ لوگوں نے اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا: کیا طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران تیرے لیے آسمان سے کوئی رقعہ اُترا ہے جس میں تجھے جہنم سے براءت کا مژدہ پیش کیا گیا ہو۔

اس نے کہا: نہیں، ساتھ ہی پوچھا: کیا لوگوں کو خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد کوئی آسمانی رقعہ ملا کرتا ہے؟۔

ان لوگوں نے کہا: ہاں بالکل۔ چنانچہ اس نے پھر پورے انہماک کے ساتھ طواف کرنا شروع کردیا اور جہنم سے نجات کا پروانہ اللہ کی بارگاہ سے طلب کرنے لگا۔

---

(۱) روض الریاحین:۱۲۳،بحوالہ بزم اولیاء:۲۰۷ تا ۲۰۸۔

اتنے میں منبر شریف کے پاس اسے کوئی رقعہ گرتا ہوا محسوس ہوا، وہ دوڑا جب اسے اُٹھا کر دیکھا تو اس میں اس کے لیے جہنم سے براءت کا ذکر موجود تھا۔

یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا، اور قبولیت طواف پر اللہ کا شکرادا کیا۔ پھر اس نے ان مذاق کرنے والوں سے جا کر اس کی بابت بتایا، جب انھوں نے دیکھا تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس رقعہ پر اس شان سے تحریر ثبت تھی کہ جدھر سے بھی وہ اسے پڑھنا چاہتے پڑھ لیتے، اگر ورق پلٹتے تو ساتھ ہی تحریر بھی پیچھے چلی جاتی، دائیں بائیں گھماتے تو دائیں بائیں منتقل ہو جاتی۔

اس معجز نما اور ورطہ حیرت میں ڈال دینے والے رقعہ کو دیکھ کر انھیں یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہ اللہ کی طرف ہے۔(۱)

غوثُ الاَولیاء کون؟

صاحب 'النور السافر' نے لکھا ہے کہ ایک معتبر راوی کے ذریعہ یہ حکایت نقل کی جاتی ہے؛ جن کا بیان ہے کہ میں ۹۰۷ھ میں حج اَدا کرنے کے لیے مکہ معظّمہ پہنچا۔ معمول کے مطابق ایک دن میں خانۂ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا کہ اچانک ایک قبول صورت بزرگ میرے سامنے ہویدا ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ تمہارا نام فلاں ہے اور تم فلاں شہر سے آئے ہو؛ یوں ہی انھوں نے بہت ساری نادیدہ وشنیدہ چیزوں کی مجھے خبر دی جن کا مجھے پہلے پتا نہ تھا۔ پھر اخیر میں فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ آج (دنیا میں) 'غوث الاولیاء' کون ہے؟۔

میں نے کہا: نہیں۔

(۱) حاشیۃ الجمل علی المنہج شیخ الاسلام زکریا انصاری: ۴/ ۵۸۷۔

فرمایا: اس دور کے غوث سید ابو کبر بن عبداللہ عیدروس ہیں جو عدن کی سرزمین پر قیام فرما ہیں۔

میں نے پوچھا: وہ وہاں کب سے ہیں؟۔

فرمایا: کوئی ساٹھ سال سے۔(۱)

اِسراف و اِنفاق میں فرق!

حضرت عثمان بن اَسود بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانۂ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا، اتنے میں انھوں نے جبل ابوقبیس کی طرف اپنا رخ کر کے فرمایا :

لو أن رجلا أنفق مثل هذا الجبل فی طاعة اللّٰه تعالی لم یکن مسرفا ولو أنفق درهما واحدا فی معصیة اللّٰه عز وجل لکان مسرفا

یعنی اگر کوئی شخص اِس پہاڑ (ابوقبیس) کے برابر بھی راہِ خدا میں کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ ہرگز اِسراف نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کسی نے ایک درہم اللہ کی نافرمانی کے کسی کام میں خرچ کیا تو بے شک اِسراف ہوگا۔(۲)

درسِ عبرت برائے حجاج

حضرت شیخ یحییٰ قدس سرہ العزیز جب حج سے فارغ ہوئے تو واپسی پر طواف خانۂ کعبہ کیا اور باب کعبہ پر آ کر یوں التجا کی :

---

(۱) النور السافر عن اخبار القرن العاشر: ۱/۴۳۔

(۲) اَخبارِ مکہ فاکہی: ۱/۳۶۴، رقم: ۳۳۳۔

الٰہی! شاہانِ دنیا کا دستور ہے کہ وہ اپنے خدام کو بوقت رخصت خدمت گاری کے صلے میں بیش قیمت تحائف اور گوناگوں انعام واکرام سے عزت افزائی کرتے ہیں، اور جب وہ خدام اپنے خویش واقربا، احباء ورفقا سے ملتے ہیں تو ان سے تحائف کے خواہشمند ہوتے ہیں اور وہ خادم بادشاہ سے حاصل شدہ انعام وتحائف میں سے اپنے احباب واقارب کو دے کر مسرت وشادمانی کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔

خداوندا! میں تیرا بندہ اور تو بادشاہوں کا بھی حاکم و مالک ہے، الٰہی! میں چند روز تیرے اس حرمت والے گھر کی خدمت سے مشرف ہوا ہوں، اب میری واپسی قریب ہے، کچھ تحائف تیرے آستانِ فیض رساں سے لے جانے کا طالب ہوں؛ تاکہ وہ رحمت ومغفرت کے تحفے جب میں صحیح وسالم لے کر اپنے وطن پہنچوں تو اپنے خویش واقارب کے مطالبہ پر پیش کرسکوں اور کہوں :

عزیزو! میں دربارِ الٰہی سے تمہارے لیے رحمت ومغفرت کے دو تحفے لایا ہوں۔اے میرے مولا! مجھے یہ تحفے عطا فرما تاکہ مجھے ان کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے۔

آواز آئی: اے یحییٰ! جو تحفے تو نے طلب کیے ہیں، میں نے عطا کردیے، جاؤ انھیں میری رحمت ومغفرت کی بشارت سنا دینا۔

بے شک میں کریم ہوں، جب گدا اور بے نوا کریم کے دروازے پر جاتا ہے تو کریم اس محتاج کی خواہشیں تشنہ نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی مراد پوری کردیتا ہے، اور اس کی حاجت برلاتا ہے۔

جاؤ میں نے اپنے جودوکرم کے بے پایاں دریا سے تجھے ایمان داروں کے لیے

شفاعت ومغفرت کے تحفے عطافرمادیے۔

مگرافسوس کہ آج کل کے حجاجِ کرام سے ان سے خویش واقربا کی دنیوی سامانوں کی فرمائش ہوتی ہے، یا حجاج خود معاشرتی دباؤ کے تحت اکثر اپنی ناک رکھنے کی خاطر ان تکلّفات میں گھر جاتے ہیں۔ اللہ توفیق خیر دے، ہمیں سامانِ دنیا کی طلب سے کہیں زیادہ توشہ آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ اللہ سب کا حامی وناصر ہو۔

وَ صَلِّ اللّٰهُمَّ عَلیٰ سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا وَ قَائِدِنَا مُحَمَّدٍ صَلاۃً دَائِمَۃً مُسْتَمِرَّۃً

مَا تَلاطَمَتْ فِی الأَبْحُرِ الأَمْوَاجُ وَ طَافَ بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ مِنْ کُلِّ

فَجٍ عَمِیْقٍ الحُجَّاجُ وَ عَلیٰ آلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ

وَصَحَابَتِهِ الأَکْرَمِیْنَ وَ عَلَیْنَا مَعَهُمْ

یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ .

حاجیو! آؤ........

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو ○ کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت ○ اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
آب زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں ○ آؤ جودِ شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے ○ ابر رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بیتابوں کی ○ اُن کے مشتاق میں حسرت کا تڑپنا دیکھو
مثل پروانہ پھرا کرتے تھے جس شمع کے گرد ○ اپنی اس شمع کو پروانہ یہاں کا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ ○ قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا ○ یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو
اوّلیں خانۂ حق کی تو ضیائیں دیکھیں ○ آخریں بیت ِ نبی کا بھی تجلّا دیکھو
زینتِ کعبہ میں تھا لاکھ عروسوں کا بناؤ ○ جلوہ فرمایہاں کونین کا دولھا دیکھو
ایمن طور کا تھا رکن یمانی میں فروغ ○ شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو
مہر مادر کا مزہ دیتی ہے آغوشِ حطیم ○ جن پہ ماں باپ فدا یاں کرم اُن کا دیکھو
عرضِ حاجت میں رہا کعبہ کفیل الحجاج ○ آؤ اب داد رسی ِ شہ ِ طیبہ دیکھو
دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگ اسود ○ خاک بوسی ِ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
کر چکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پروازیں ○ ٹوپی اب تھام کے خاکِ درِ والا دیکھو
بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت ○ جوشِ رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو
جمعۂ مکہ تھا عید اہلِ عبادت کے لیے ○ مجرمو آؤ یہاں عید ِ دوشنبہ دیکھو
ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے اَرماں ○ ادب وشوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو
خوب مسعٰی میں بامیدِ صفا دوڑ لیے ○ رہِ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو
رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں ○ دلِ خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو
غور سے سن تو رضؔا کعبہ سے آتی ہے صدا ○ میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

کتابیات :

- قــرآن کریم . ابتدائے نزول: ۶۱۰ء- انتہائے نزول: ۹/ذی الحجہ ۱۰ھ/ ۶۳۲ء
- مسند الحميدي : عبداللہ بن زبیر مکی [۲۱۹ھ]
- أخبار مكة للأزرقي : امام ابوالولید محمد بن عبدالکریم غسانی ازرقی [۲۲۳ھ]
- مصنف ابن أبي شيبة : ابوبکر عبداللہ بن محمد بن احمد نسفی [۲۳۵ھ]
- مسند امام احمد بن حنبل : امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]
- صحيح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- مسند الشاميين للطبراني : امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- صحيح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری [۲۶۱ھ]
- سنن ابن ماجه : امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [۲۷۳ھ]
- أخبار مكة للفاكهي : محمد بن اسحٰق بن عباس فاکہی [۲۷۵ھ]
- سنن ابی داؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]
- جامع ترمذی : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]
- الرقة والبكاء : عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا قرشی بغدادی شافعی [۲۸۱ھ]
- مسند أبوبكر : ابوبکر احمد بن علی مروزی حنفی [۲۹۲ھ]
- البحر الزخار مسند البزار : حافظ ابوبکر احمد بن عمرو عتکی بزار [۲۹۳ھ]

- مسند أبي يعلى الموصلي : احمد بن علی موصلی [۳۰۷ھ]
- مستخرج أبي عوانة : یعقوب بن اسحاق اسفرائنی [۳۱۶ھ]
- اعتلال القلوب : ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد خرائطی [۳۲۷ھ]
- أخبار عقلاء المجانين : ابوالازہر محمد بن زید نحوی [۳۲۵ھ]
- معجم ابن الأعرابي : ابوسعید احمد بن محمد بن اعرابی [۳۴۱ھ]
- صحيح ابن حبان : ابوالشیخ محمد بن حبان [۳۵۴ھ]
- تفسير ابن ابی حاتم : ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم رازی [۳٦۷ھ]
- تاريخ الرسل والملوک : احمد بن محمد طبری مکی شافعی [٦۹۴ھ]
- تاريخ الطبري : احمد بن محمد طبری مکی شافعی [٦۹۴ھ]
- طبقات الصوفية للسلمي : ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری [۴۱۲ھ]
- شرح أصول اعتقادأهل السنةوالجماعة للألكائي : ابوالقاسم بن حسن [۴۱۸ھ]
- السنن الكبرى للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- شعب الايمان للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- كشف المحجوب : حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری [۴٦۵ھ]
- الرسالة القشيرية : ابوالقاسم عبدالکریم قشیری [۴٦۵ھ]
- فوائد ابن منده : حافظ ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی [۴۷۵ھ]
- إحياء علوم الدين : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- مكاشفة القلوب : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- تاريخ مدينة دمشق : علی بن حق دمشقی معروف ب ابن عساکر [۵۷۱ھ]

- معجم ابن عساکر : علی بن حق دمشقی معروف ب ابن عساکر [۵۷۱ھ]
- صفة الصفوة : عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی بغدادی [۵۹۷ھ]
- بر الوالدین : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]
- التوابین : ابوالعباس سیف الدین محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی حنبلی [۶۴۳ھ]
- نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية : عبداللہ یوسف زیلعی [۷۲۶ھ]
- تفسیر البحر المحیط : اثیرالدین ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی [۷۴۵ھ]
- روض الریاحین : شیخ عبداللہ بن اسعد یافعی [۷۶۸ھ]
- البدایة و النهایة : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- لطائف المعارف : زین العابدین عبدالرحمٰن ابن رجب حنبلی [۷۹۵ھ]
- مجمع الزوائد و منبع الفوائد : امام نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی [۸۰۷ھ]
- الروض الفائق فی المواعظ والرقائق : شیخ شعیب حریفیش [۸۱۰ھ]
- الزهرالفائح في ذكرمن تنزه عن الذنوب والقبائح: ابوالخیر محمد ابن الجزری [۸۳۳ھ]
- المستطرف في كل فن مستظرف : ابوالفتح بہاء الدین ابشیہی شافعی [۸۵۰ھ]
- الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك : خلیل بن شاہین ظاہری [۸۹۳ھ]
- نزهة المجالس و منتخب النفائس : عبدالرحمٰن بن عبدالسلام صفوری [۸۹۴ھ]
- المطالب العالية : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- کنز العمال : علاءالدین علی متقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری [۹۷۵ھ]
- فیض القدیر : شمس الدین عبدالرؤف مناوی شافعی [۱۰۳۰ھ]
- تفسیر روح البیان : ابوالفداء شیخ اسمٰعیل حقی بروسوی [۱۱۳۷ھ]

- تفسیر مظھری : قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی [۱۲۲۵ھ]
- المسند الجامع : ابو الفضل سید ابو المعاطی النوری [۱۴۰۱ھ]
- موسوعة أطراف الحديث : [ھ]
- موسوعة التخريج : [ھ]
- ماہ نامہ جہانِ رضا
- Muslim Views Monthly News Paper, Cape Town, South Africa.
- Islam, Spirit and Form, By: Osman Nuri Topbas.
- The Five Big Sufis of India and Pakistan, By: W. D. Begg.

يقول أبو الرفقة **محمّد افروز القادری الجریاکوتی** – أدام اللّٰه له سلوک سبیل السنة و الجماعة – هٰذا ما وفقني اللّٰه تبارک و تعالیٰ و أعانني علیه من وضع هٰذا الکتاب الذي دأبتُ في ترتیبه و تحقیقه و تخریجه بکل ما في وسعي و طاقتي و ﴿ لاَ یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا مَا آتٰهَا ﴾ [طلاق : ۷]

و إني أسئل اللّٰه سبحانه و تعالیٰ أن یجعل عملي هٰذا و جهدي خالصاً لوجهه الکریم و هدیة الیٰ جناب سیدي رسول اللّٰه العظیم أنجو به من نار الجحیم و ما توفیقي إلا باللّٰه العظیم علیه توکلت و إلیه أنیب . قد بدأت عمل التألیف و الترتیب بعد العودة من الحرمین الشریفین –زادهما اللّٰه شرفا و تعظیما– في شهر محرم الحرام عام – ۱٤۳۰ھ – الموافق شهر ینائر –۲۰۰۹ء – و کان الفراغ منه –بفضل اللّٰه و منته و توفیقه و معونته– في لیلة یوم الخمیس ' العاشر من ذی القعدة الحرام عام – ۱٤۳۰ھ من الهجرة النبویة علیٰ صاحبها السلام و التحیة – ، الموافق شهر نوفمبر –۲۰۰۹ء من میلاد المسیح علیه الصلوة و التسلیم– .

رَبَّنَا لاَ تُؤاخِذْنَا إنْ نَسِیْنَا أو أخْطَأنَا

﴿ تمّت و بالخیر عمّت ﴾

لمحۂ فکریہ

عصرِ حاضر کی مشینی زندگی میں اِنسان کے پاس فرصت کے لمحات کہاں؟

علمی و دینی محافل میں شرکت کی سعادت بھی کم ہی مل پاتی ہے،

اور پھر بے لگام میڈیا کے اَخلاق باختہ پروگرامز نے

رہی سہی کسر بھی پوری کر دی،

اِن حالات نے کتاب کے مطالعے کی اہمیت و اِفادیت

کو اور بھی دو چند کر دیا ہے۔

بے داغ اَخلاق و کردار، صفتِ تحمل و بردباری،

دانائی و زیرکی، سوچ میں پختگی، خود اِعتمادی،

برداشت و یادداشت میں اِضافہ،

اچھی رائے قبول کرنے کی صلاحیت اور بہترین اِنسان بننے کا حوصلہ۔

یہ سب اَوصاف کتب بینی کے نتیجے میں ہمارے اندر پیدا ہو سکتے ہیں،

تو پھر کیوں نہ ہم کتابوں کا مطالعہ اپنے لیے حرزِ جاں بنا لیں،

اور اپنے نیز سارے معاشرے کے لیے سراپا رحمت واَمان بن جائیں۔

پیغام رفاعی مشن، ناسک

tawaafe khanaye kaaba ke rooh parwar waaqi'aat

حرمین شریفین سے دل پر پتھر رکھ کر واپس آنے کو تو ہم آ گئے؛ تاہم سچ پوچھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جان و دل ہنوز طوافِ حرم میں دیوانہ وار پھر رہے ہیں...... رکنِ شامی سے وحشتِ شامِ غربت مٹا رہے ہیں...... ملتزم سے گلے لگ کر مدتوں کے اَرمان نکال رہے ہیں...... چشمہ زمزم سے جنم جنم کی تشنگی شوق بجھا رہے ہیں...... زیرِ میزاب' کرم کے چھینٹوں تلے نہا رہے ہیں...... من موہنا غلافِ کعبہ' سر آنکھوں سے لگا رہے ہیں...... آغوشِ حطیم میں سجودِ نیاز لٹا رہے ہیں...... بوسۂ سنگِ اَسود سے ظاہر و باطن کی ظلمتیں مٹا رہے ہیں...... سعیِ صفا و مروہ سے روح و بدن کی صفا و غذا کا سامان کر رہے ہیں...... وادیِ منیٰ میں رقصِ بسمل کی بہاریں دیکھ رہے ہیں...... غارِ ثور و حرا کی طرف پروانہ وار لپکے جا رہے ہیں اور محلِ مستجاب پر کھڑے گریاں و بریاں بابِ اجابت کھٹکھٹا رہے ہیں۔ ان مقدس یادوں کو تازہ رکھنے ہی کی یہ ایک حقیری کوشش ہے۔ یہ تحریر آپ کو بتائے گی کہ طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران کیسے کیسے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں، اور سعادت مندوں نے رحمتِ خداوندی میں کس کس طرح سے حصہ ڈالا ہے، اور مالک و مولا کے فضل و کرم کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ اللہ ہمیں بھی اپنے برگزیدگان میں کرے۔ آمین۔

SUNNI PUBLICATIONS
2818/6, Gali Garahiya, Kucha Chellan
Darya Ganj, New Delhi-110002
Mob.: 9867934085
E-mail: zubair006@gmail.com



KAMAL BOOK DEPOT
Madarsa Shamsul Uloom
Ghosi, Distt. Mau, (U.P.)
Cell: 9935455182
09335082776